دیوان بیدار

دیوان بیدار

یعنی

میر محمدی بیدار دہلوی کے کلام کا مجموعہ

بہ‌تصحیح و حواشی و مقدمہ

از

جلیل احمد قدوائی، ام، اے

لکچرر اُردو، مسلم یونیورسٹی، علی‌گڑھ۔

الٰہ‌آباد:
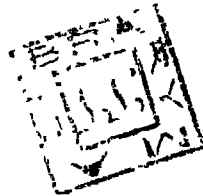
ہندستانی اکیڈیمی، یو - پی

۱۹۳۷

Published by
HINDUSTANI ACADEMY U. P.
ALLAHABAD.

FIRST EDITION :
Price Paper Rs. 1-8-0
„ Cloth Rs. 2-0-0

Printed by
S. GHULAM ASGHER, AT THE CITY PRESS,
ALLAHABAD.

سر سید ثانی

یعنی

عالی جناب نواب مسعود جنگ ڈاکٹر سر سید راس مسعود صاحب

بی ، اے (آکسن) بار ایٹ لا ، ال ال - ڈی -

وزیر تعلیمات ریاست بھوپال

کے نام

ع ، نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں !

مقدمہ[1]

علیگڑھ میں بدایوں کے رہنے والے ایک سیلانی بزرگ مولوی حضور احمد پرانی کتابوں اور بدایوں کے پیڑوں کا بیوپار کرتے ہیں - پھرتے پھراتے سال میں دو ایک مرتبہ وہ میرے پاس بھی تشریف لے آتے ہیں - پرانی کتابیں کبھی کبھی لیکن پھرتے ہیں اُن سے بہت دفعہ خرید چکا ہوں - اُن کے ذریعہ سے بعض نادر و نایاب کتابیں مشتاقان ادب کو مل جاتی ہیں - علیگڈہ ہی کے حبیب گنج میں جو ایک پرانی کتابوں کے کیڑے اور عاشق زار اور بزرگ قوم نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی رہتے ہیں اُن کے مشہور کتب خانے میں بھی ان حضرت کی بدولت پرانی کتابیں پہونچ جاتی ہیں - میری خوش قسمتی سے ایک مرتبہ ' کوئی چھ سال ہوئے ' وہ میرے پاس ایک قلمی کتاب لائے جسے میں نے اپنے کتب خانہ کے لیے ان سے خرید لیا - پہلی نظر میں ایک ہی جلد میں بندھے ہوئے یہ کسی گم نام شاعر کے دو دیوان معلوم ہوئے مگر تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ یہ میر محمدی بیدار دہلوی کا اُردو اور فارسی کلام ہے - اس علم کا ہونا تھا کہ میری خوشی کی انتہا نہ رہی - شوق ہوا کہ دیگر ارباب ذوق سے اس کا تذکرہ کروں اور اس گنج بےبہا کو بازار میں لاؤں - چنانچہ اسی وقت سوچ لیا تھا کہ جلد سے جلد یہ فرض ادا کروں گا اور دراصل مضمون اب تک تیار ہو کے کب کا چھپ گیا ہوتا لیکن بعض خانگی وجوہ سے یہ نیک ارادہ اب تک پورا نہ ہوسکا بہر حال آج کی صحبت میں بیدار کے جو حالات مجھے معلوم ہوسکے وہ ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں اور سر دست صرف اُن کے اردو کلام پر بحث و تبصرہ کروں گا ' فارسی کلام پر تبصرہ کسی آیندہ فرصت کے لیے ملتوی کرتا ہوں -

---

[1]—میرا یہ مضمون ہندستانی اکیڈمی کے رسالہ بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۲ع میں شایع ہوا تھا ' اب اکیڈمی کی فرمایش پر میں نے اس پر نظر ثانی کی ہے تاکہ یہی مضمون " دیوان بیدار " کے مقدمے کا کام دے - [مرتب] -

صرف ایک ایسے بزرگ پائے گئے جنھوں نے اپنے تذکرہ میں بیدار سے کسی قدر ذاتی واقفیت کا اظہار کیا ہے - فرماتے ہیں " قریب چہاردہ سال شدہ باشد کہ فقیر اورا در لباس درویشی در شاہجہاں‌آباد دیدہ بود - طبع درد مند داشت ' باریک و ملحدلی ' بہ زیور علم و حیا آراستہ ' معلوم نیست کہ الحال کجا است[۱] " تذکرہ شعرائے اُردو کی تالیف کا زمانہ ۱۱۸۸ اور ۱۱۹۲ ہجری کے مابین ہے[۲] - اگر بیدار کا حال میر حسن نے ۱۱۹۰ ہجری میں لکھا تو ظاہر ہے کہ ۱۱۷۶ ہجری کے لگ‌بھگ انہوں نے بیدار کو لباس درویشی میں دیکھا تھا - اسی کے ساتھ میر تقی میر کے الفاظ بھی قابل غور ہیں - فرماتے ہیں " جوانے است از یاران مرتضیٰ قلی بیگ فراق ' مصرعۂ ریختہ درست موزوں می کند[۳] " اس کے بعد بیدار کا یہ ایک شعر پیش کرتے ہیں جو تذکرہ میر حسن اور دوسرے پرانے تذکروں میں بھی پایا جاتا ہے :—

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب نیں ہم‌رنگ خجالت لعل و مرجاں کو[۴]

معلوم ہوتا ہے کہ گو بیدار میر کے ہم‌عصر تھے لیکن تذکرۂ میر کی تحریر کے وقت وہ کم عمر اور غیر معروف ہوں گے ورنہ میر صاحب اُن کے کلام کی دل کھول کر داد دیتے کیونکہ آزاد کے قول کے خلاف [۵] میر صاحب نے اپنے تذکرہ میں جس انصاف اور بے لاگ اظہار رائے کا ثبوت دیا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ سجاد اکبرآبادی کے حال میں ' جنھیں وہ " مرد طالب علم "

---

[۱]—تذکرۂ شعرائے اردو ' مولفۂ میر حسن ' مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس ' سنہ ۱۹۲۲ء صفحہ ٦٥ -

[۲]—مقدمہ تذکرہ شعرائے اُردو ' صفحہ ۴ -

[۳]—نکات‌الشعرا ' مولفہ میر تقی میر ' مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ' صفحہ ۱۴۰ -

[۴]—یہ شعر غلط ہے - دیوان بیدار میں اس طرح پر کوئی غزل نہیں - یہ مطلع اصل میں یوں صحیح ہے :—

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کی
کہاں تجھہ لب کے آگے قدر و قیمت لعل و مرجاں کی

[۵]—میر کی بد دماغی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ میر نے نکات‌الشعرا کے دیباچہ میں ایک ہزار شاعروں کا حال لکھنے کو کہا ہے " ان ہزار میں ایک بے چارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا " (آب حیات ' مطبوعۂ کریمی پریس لاہور ' صفحہ ۲۱۱) -

لکھتے ہیں ' اور ان کے اشعار کے انتخاب میں انہوں نے تیرہ صفحے صرف کئے ہیں اور ان کے اسی شعر پر :—

عشق کی ناؤ پار کیسا ہووے
جو یہ کشتی ترے تو بس ڈوبے

لکھتے ہیں " ہمہ شعر سبحان‌اللہ لیکن فقیر را از دیدن ایں شعر تواجد دست بہم می دہد ' از بس کہ از خواندن ایں شعر حظے بر می دارم ' می خواہم کہ بہ صد جا بہ نویسم " [۱] نکات‌الشعرا کی تالیف کا زمانہ ۱۱۶۴ اور ۱۱۶۶ ھجری کے مابین ہے [۲] - اگر میر صاحب نے بیدار کا حال ۱۱۶۵ ھجری میں لکھا تھا اور ہم اندازاً بیدار کی عمر اس وقت بیس سال کی مان لیں تو اُن کی تاریخ پیدائش ۱۱۴۵ ھجری ہوئی [۳] اس حساب سے گویا میر حسن نے انہیں کم و بیش اکتیس سال کی عمر میں درویشی کے حالت میں دیکھا تھا - یہ خیال رہے کہ میر حسن نے ہرچند کہ چودہ برس پیشتر بیدار کو لباس درویشی میں دیکھا تھا پھر بھی وہ انہیں اپنے تذکرہ میں " جوان محمد شاہی " ہی لکھتے ہیں - قایم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں " ازچندے تغیر لباس کرد ' باستغنائے تمام بسر برد " [۴] یہ تذکرہ میر تقی کے تذکرے سے دو چار سال بعد کا ہے [۵] اس سے اس واقعہ کی کہ بیدار نے نوعمری میں درویشی لے لی تھی تائید ہوتی ہے - مولوی عبدالحئی مرحوم اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ بیدار نے ۱۲۰۹ ھجری میں وفات پائی ' اس حساب سے اُن کی عمر چونسٹھ برس کی ہوئی - افسوس ہے کہ قدیم شعرا کے حالات جمع کرتے وقت ہمیں صرف قیاسات اور حسابات سے کام لینا پڑتا ہے اور تذکرہ نویس اس باب میں بہت کم اعانت کرتے ہیں - ممکن ہے کہ یہ قیاسات غلط

---

[۱]—نکات‌الشعرا ' صفحہ ۷۵ -
[۲]—مقدمۂ مخزن نکات ' نوشتۂ مولوی عبدالحق ' صفحہ ۲ -
[۳]—واضح ہو کہ نکات‌الشعرا خود میر صاحب کے شباب کا کارنامہ ہے - اس لئے بیدار کی عمر تذکرہ کی تحریر کے وقت بیس بائیس سال سے زاید ماننا خلاف قیاس ہوگا -
[۴]—مخزن نکات ' مطبوعہ انجمن ترقی اُردو ' صفحہ ۶۳ -
[۵]—مقدمہ مخزن نکات ' صفحہ ۲ -

ھوں مگر کم از کم اس سے شاعر کے زمانہ اور عمر کا کسی نہ کسی حد تک صحیح تعین ضرور ھو سکتا ھے -

پرانے تذکروں میں سے نکات الشعرا مولفۂ میر تقی ' مخزن نکات مولفۂ قایم ' چمنستان شعرا مولفۂ شفیق اور تذکرۂ شعرائے اُردو مولفۂ میر حسن میں بیدار کے حال میں صرف تین تین چار چار سطریں لکھہ دینے پر اکتفا کیا گیا ھے - ان میں سے بھی بعض میں حالات اور اشعار کہیں ایک دوسرے کے حوالے سے کہیں بغیر حوالہ صرف نقل کر دئے گئے ھیں - میر صاحب بیدار کو " از یاران مرتضی قلی بیگ فراق " لکھتے ھیں - میر حسن " از شاگردان مرتضی قلی بیگ فراق " بتاتے ھیں - مرزا علی لطف لکھتے ھیں " دوستوں میں سے خواجہ میر درد تخلص کے تھے ' نزاکت سے معنی کی بخوبی آشنا اور زباندانان دلی سے ھمیشہ ھم نوا رھے ھیں - کہتے ھیں کہ کلام اپنا انھوں نے اصلاح کی تقریب سے خواجہ میر درد کو دکھایا ھے اور اس نقادبازار معانی سے فائدہ بہت سا اُٹھایا ھے " [۱] صاحب سخن شعرا " شاگرد مرتضی قلی خاں فراق " [۲] بتاتے ھیں - شیفتہ نے بھی لکھا ھے " از شاگردان مرتضی قلی بیگ فراق شمردہ می شود " [۳] جدید تذکرہ نویسوں میں سے آزاد کے ھاں بیدار کا ذکر نہیں ھے ' صاحب شعرالہند لکھتے ھیں " خواجہ (میر درد) صاحب کے صاحب دیوان شاگرد ھیں اور زباندانان دلی سے ھمیشہ ھم نوا رھے ھیں یہ مضمون غالباً اُنھوں نے گلشن ھند سے اُڑایا ھے - قدرت‌اللہ شرق اُن کو مرتضی قلی بیگ فراق کا شاگرد کہتے ھیں اور میر صاحب نے بھی اُن کو انھیں کا شاگرد لکھا ھے " [۴] - مولوی عبدالحئی صاحب نے کسی قدر تفصیل سے کام لیا اور ھر چند کہ اُنھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا وہ بیدار کو اُردو میں خواجہ میر درد اور فارسی میں مرتضی قلی بیگ فراق کا شاگرد بتاتے ھیں - خود بیدار کے اُردو کلام میں کوئی ایسی غزل یا نظم نہیں جس سے اُن کے درد کے شاگرد ھونے کا قطعی ثبوت بہم پہونچے ' یہ ضرور ھے کہ اُنھوں نے درد کی طرح پر

---

[۱]—گلشن ھند ' مطبوعۂ رفاہ عام پریس لاھور ' صفحہ ۵۹ -

[۲]—سخن شعرا ' مولفۂ عبدالغفور خاں نساخ ' مطبوعۂ نول کشور پریس ' صفحہ ۷۴ -

[۳]—گلشن بے خار ' مطبوعۂ نول کشور پریس ' صفحہ ۳۵ -

[۴]—شعرالہند ' صفحہ ۱۴۴ -

غزلیں بہت سی کہی ہیں اور کہیں کہیں اپنی غزلوں میں درد کے اشعار ضم کیے ہیں اور اُن کی غزلوں پر تضمینیں بھی کہی ہیں - حضرت درد کی وفات پر جو قطعہ تاریخ بیدار نے فارسی میں لکھا ہے اُس میں بھی اُنھوں نے اپنے کو " از غلاما نش یکے " ہی لکھا ہے جس کے معنی " یکے از معتقدین او " بھی ہوسکتے ہیں صاف صاف شاگردی کی تصریح نہیں کی - وہ قطعہ یہ ہے :—

آفتابِ اُمتِ دینِ محمد خواجہ میر
مظہرِ علمِ علی و وارث اثنا عشر

حضرت درد آں کہ از درد فراق عندلیب
نالۂ یا نا صرش می کرد بر دلہا اثر

حیف کز دنیا بعمر شصت و ہشتم سالگی
جانب اعلاء علیین اُو کردہ سفر

بندۂ بیدار کاں ہست از غلاما نش یکے
جست از وقت وصال و روز وماہش چوں خبر

یک پہر شب ماندہ ہاتف کرد واویلا و گفت
ہائے بود آدینہ و بست و چہارم از صفر [۱]

تذکرہ نویسوں کا یہ اختلاف آرا اور اجتماع ضدین بے حد پریشان کن ہے اور بیدار کی تلمیذ کی نسبت بغیر مکمل تحقیق کے میرا دل مطمئن نہیں ہوتا تاہم یہ واقعہ ہے کہ وہ عام طور پر درد ہی کے شاگرد سمجھے جاتے ہیں چنانچہ مجھے دوران تحقیق میں حکیم آغا جان عیش دہلوی کا ایک مقطع ملا ہے جس کے دیکھنے کے بعد لطف اور مولوی عبدالغنی کا یہ کہنا غلط نہیں معلوم ہوتا کہ بیدار اُردو میں خواجہ میر درد کے شاگرد تھے - وہ شعر یہ ہے :—

---

[۱]—مقدمہ دیوان درد ' مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - نوشتہ مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی ' صفحہ ٥ ' یہ قطعہ بیدار کے فارسی دیوان میں جو میرے پاس ہے مجھے نہیں ملا ' حالآنکہ اس میں بہت سے قطعات تاریخ ہیں ' منجملہ ان کے اپنے مرشد مولانا فخرالدین دہلوی کے وفات پر جو قطعہ تاریخ کہا ہے وہ بھی موجود ہے - اسی مقدمہ میں مولانا شروانی نے خواجہ میر درد کے شاگردوں اور اُن شعرا کے نام دئے ہیں جو اُن کے فیض صحبت سے سیراب ہوے ' اس فہرست میں بیدار کا نام نہیں ہے -

مجرم کا میں شاگرد وہ بیدار کے شاگرد
ہے عیش سلسلہ مرا یوں درد و اثر تک [۱]

بہر حال جہاں تک قوی روایات کا تعلق ہے غالباً اس بات کو مان لینا چاہئے کہ بیدار اردو میں خواجہ میر درد کے شاگرد تھے - اس کا ایک اور قیاسی ثبوت خود بیدار کے کلام کی سادگی و شیرینی اور اس کا ایک حد تک عارفانہ رنگ ہے - بیدار کی بعض غزلیں تو بالکل ایسی ہیں کہ اگر مقطع نکال دیا جائے تو بلا پس و پیش انہیں درد کی غزلیں کہہ سکتے ہیں - مولوی عبدالحئی مرحوم نے یہ بھی لکھا ہے کہ بیدار نے دو دیوان یادگار چھوڑے - میرے لئے اس نتیجہ پر پہونچنا مشکل نہیں کہ ایک دیوان اردو اور ایک فارسی کا ہے اور دونوں کا ایک ایک نسخہ خوش قسمتی سے میرے پاس ہے -

---

[۱]—مرزا فرحت‌اللہ بیگ صاحب نے ایک مضمون حکیم آغا جان عیش پر رسالہ اردو جلد ۸ - حصہ ۳۲ میں لکھا ہے جس سے یہ شعر نقل کیا گیا ہے ' اس مضمون کے ایک فٹ نوٹ میں بیدار کا بھی تین چار سطروں میں حال درج ہے اور انہیں درد و اثر کا شاگرد بتایا گیا ہے - ممکن ہے درد کے انتقال کے بعد بیدار نے اثر سے بھی اصلاح لی ہو - اس شعر سے میرے کام کی دو باتیں نکل آئیں ایک تو یہ کہ بیدار حضرت درد کے شاگرد تھے - دوسرے یہ کہ بیدار بعد میں خود بھی استاد و صاحب تلامذہ ہوئے - صاحب شعرالہند نے تذکرہ قدرت قلمی کے حوالہ سے تلامذۂ بیدار میں صرف شیخ محمد حاجی حشمت کا نام لکھا ہے جن کا نمونۂ نظم یہ ہے :—

نہیں ہے خوف مجھے گونہ سب جہاں پھر جائے
پہ یہ غضب ہے جو وہ یار مہرباں پھر جائے
کہیں ہیں لوگ مجھے دیکھہ کوئے قاتل میں
الٰہی یاں سے سلامت یہ نوجواں پھر جائے

(شعرالہند جلد ' اول ' صفحہ ۱۶۰)

اس شعر نے تلامذۂ بیدار میں مجرم یعنی حکیم آغا جان عیش کے اُستاد کا اور اضافہ کیا - اُن کے مختصر حالات یہ ہیں :—

مجرم تخلص ' رحمت‌اللہ نام ' آگرہ کے رہنے والے تھے ' کندلہ کشی کرتے تھے ' پھر فقیر ہوگئے - پھرتے پھراتے دھلی پہونچے ' بیدار کے شاگرد ہوئے - کچھہ دنوں دھلی میں رہے وہاں سے بریلی چلے گئے - بڑے ظریف اور طباع تھے - کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو :—

نگہ دزدیدہ کیوں پھینکے ہے تو اے امت عیسیٰ
دل و سینہ کو توڑے ہے یہ پستول فرانسیسی
یہی ہے آرزو روز جزا میں اپنی اے مجرم
علی کی غاشیہ داری ہو اور دُلدُل کی سائیسی ! (اُردو)

مگر مختلف تذکروں سے مقابلہ کرنے پر یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بعض اشعار یا غزلیں میرے نسخے میں نہیں ہیں جس سے گمان ہو سکتا ہے کہ دونوں دیوان اردو کے تھے - لیکن چونکہ ایسی غزلوں کی تعداد کم ہے اس لئے زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاتب کی بے پروائی سے نقل ہونے سے رہ گئیں یا کسی اور کی غزلیں ہیں جو بیدار کے نام سے مشہور ہو گئیں جیسا کہ آگے چل کر ایک مثال سے ظاہر ہوگا -

دیوان بیدار بانگ درا کے سائز کے ۱۴۷ صفحوں پر مشتمل ہے - اگر شایع کیا جائے تو دیوان درد کے برابر حجم ہوگا - کاغذ پرانا ' بادامی ' چکنا ' کہیں سے خراب نہیں ہوا ہے - اس میں چھوٹی بڑی ۲۲۶ غزلیں ہیں ' ۲۶ رباعیاں ' ۲ نعتیہ مسدس اور ۱۱ مخمس - ان گیارہ میں سے ایک خود اپنی غزل پر تضمین سمجھئے - یہ غزل دیوان میں دوسری غزلوں کے ساتھ نہیں ہے اور اس کا مقطع بھی وہ نہیں ہے جو عام طور پر مختلف تذکروں میں ملتا ہے ' یعنی یہ مقطع نہیں :—

چھوڑ کر کوئے بتاں جاتا ہے تو کعبہ کو

جلد پھریو تجھے بیدار خدا کو سونپا [۱]

باقی نو تضمینیں خواجہ حافظ کی غزلوں پر ' دو دو خسرو ' درد اور سودا کی غزلوں پر اور ایک تضمین قائم کی غزل پر - دیوان کی ترتیب میں یہ جدت ہے کہ ردیف وار غزلوں کے ساتھ رباعیاں بھی درج ہیں - کتابت باریک ہے اور جا بجا املا اور ہجا کی غلطیاں ہیں - کاتب کا نام نبی بخش ہے - خوش خط نہیں ہے - خود اعتراف کرتا ہے " بہ خط بد خط نبی بخش " مگر کتابت صاف ہے - سال کتابت درج نہیں [۲] لیکن بیدار کی زندگی کے زمانہ کا نسخہ نہیں ہے کیونکہ آخر میں خود لکھا ہے " تمام شد دیوان من

---

[۱]—تذکرہ میر حسن اور دوسرے تذکروں میں یہ شعر بیدار سے منسوب ہے مگر اصل میں یہ شعر میر کا ہے اور یوں صحیح ہے :—

اب تو جاتا ہی ہے کعبہ کو تو بت خانے سے　　جلد پھریو تجھے اے میر خدا کو سونپا

(نکات الشعرا ' صفحہ ۱۶۵)

[۲]—کتاب کے خاتمہ پر یا شروع میں تاریخ کتابت کے طور پر کہیں سال وغیرہ نہیں درج ہے لیکن جلد کھولتے ہی جو ورق ملتا ہے اس کے ایک کنارے پر کسی دوسرے خط میں بالکل غیر متعلق طریقہ پر " یکم ماہ فروری سنہ ۱۸۳۲ ع " لکھا ہے -

تصنیف مولوی محمدی بیدار صاحب اکبرآبادی مرحوم و مغفور " بیدار کو اکبرآبادی غلط لکھا ہے - چونکہ آگرہ میں وفات ہوئی اس لئے غلطی سے معلوم ہوتا ہے اکبرآبادی مشہور ہو گئے تھے -

بیدار کے کلام کی عام خصوصیات کم و بیش وہی ہیں جو میر و سودا اور ان کے معاصر شعرا کے ہاں عام طور پر پائی جاتی ہیں ' مثلاً زبان کی صفائی ' دل کش و دل پذیر محاورات ' ندرت بیان ' معتدل حد تک تشبیہ و استعارہ کا استعمال ' سوز و اثر وغیرہ لیکن جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا ہے ان کے کلام کا ایک معتدبہ حصہ خواجہ میر درد کے رنگ میں ہے اور بعض غزلیں تو شروع سے آخر تک مسلسل تصوف و اخلاق کے مضامین سے لبریز ہیں - یہ یقینی ہے کہ غزل سے امرد پرستی ' بوالہوسی اور عامیانہ اظہار عشق کے مضامین نکال کے مرزا مظہر جان جاناں ' خواجہ میر درد ' میر اور سودا نے جو اس میں تصوف اور اخلاق کا رنگ بھرا اور ایک شریفانہ و مہذب قالب غزل کے لیے مہیا کیا اس کوشش میں میر محمدی بیدار کا بھی بہت بڑا حصہ ہے - مولوی عبدالحئی بیدار کے ذکر میں لکھتے ہیں " میر و مرزا کے ہم عصر تھے - جب انہوں نے رعایت لفظی کے ناپسندیدہ رنگ کو ترک کیا تو بیدار نے بھی اس میں کوشش کی اور صفائی کے ساتھ تصوف کا رنگ بہ‌قدر مناسب شامل کر کے اپنے طرز کلام کو علیحدہ کرلیا " یہ رائے دیوان بیدار کے مطالعہ کے بعد حرف بہ حرف صحیح معلوم ہوتی ہے - بیدار کو درد سے بڑی عقیدت ہے - دیوان کی سب سے پہلی غزل جو حمد باری تعالی میں ہے اسی طرح میں ہے جس میں درد کی پہلی غزل - ناظرین رنگ کے متعلق خود غور فرمائیں ' ملاحظہ ہو :—

ہے نام ترا باعث ایجاد رقم کا
محتاج نہیں وصف ترا لوح و قلم کا
تجھ گنج محبت کا طلب گار پھروں ہوں
نے طالب دینار نہ مشتاق درم کا
دل صاف کر آلایش دنیا سے کہ یہ دل
آئینہ ہے اسکندری و جام ہے جم کا
ٹک دیدۂ دل کھول کے تو دیکھ کہ رخشاں
ہر ذرۂ حادث میں ہے خورشید قدم کا

ہو جلوہ گر آئینۂ تشبیہ میں تنزیہ
گر تفرقہ اُٹھ جائے وجود اور عدم کا
اس ہستی موہوم پہ غفلت میں نہ کھو عمر
بیدار ہو آگاہ بھروسا نہیں دم کا !

ذیل میں درد اور بیدار کی کچھ ہم طرح غزلیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو بیدار کے رنگ کلام کی نسبت زیادہ آسانی سے اور بہتر رائے قائم کرنے کا موقع ملے :— ۔

[۱] درد

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
اُن نے قصداً بھی میرے نالے کو
نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا
حال مجھ غمزدے کا جس تس نے
جب سنا ہوگا رو دیا ہوگا

قطعہ

میرے نالوں پہ کوئی دنیا میں
بن کیے آہ کم رہا ہوگا
لیکن اُس کو اثر خدا جانے
نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا
دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

بیدار

اس ستمگر سے جو ملا ہوگا
اس نے کیا کیا ستم سہا ہوگا
آہ قاصد تو اب تلک نہ پھرا
دل دھڑکتا ہے کیا ہوا ہوگا
اے صبا گل تو کھل چکے پہ کبھو
غنچۂ دل مرا بھی وا ہوگا

قطعہ

ہے یقین مجھ کو تجھ ستمگر سے
دل کسی کا اگر لگا ہوگا
نالہ و آہ کرتے ہی کرتے
ایک دن یوں ہی مرگیا ہوگا
کوئی ہوگا کہ دیکھ اسے بیدار
دل و دیں لے کے بچ رہا ہوگا

درد

جی میں ہے سیر عدم کیجیے گا
یکبہ یک خلق سے رم کیجیے گا
مورد قہر تو یاں ہم ہی ہیں
اور کس پر یہ کرم کیجیے گا

بیدار

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجیے گا
ایک ملنے کو نہ کم کیجیے گا
بھاگنا خلق سے کچھ کام نہیں
قصد ہے آپ سے رم کیجیے گا

---

[۱]—درد کی یہ غزلیں دیوان درد مطبوعۂ نظامی پریس بدایوں سے نقل کی گئی ہیں جس کی طباعت و اشاعت مخدومی و معظمی ڈاکٹر سید راس مسعود صاحب کے زیر اہتمام ہوئی ہے اور جس کی صحت کی تصدیق مولانا شروانی نے اپنے مقدمہ میں کی ہے ۔

درد

سخت بے باک ہے یہ خامۂ شوق
اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا
ٹک بھی گردوں نے اگر فرصت دی
عیش کو کشتۂ غم کیجیے گا
گرمی اشک سے مانند شراب
آب و آتش کو بہم کیجیے گا
سینہ و دل کے تئیں داغوں سے
رشک گل زار ارم کیجیے گا

بیدار

گر رہی یوں ہی گل افشانی اشک
جا بجا رشک ارم کیجیے گا
گر یہی زلف [۱] و یہی مکھڑا ہے
غارت دیر و حرم کیجیے گا
جی میں ہے آج بجائے مکتوب
یہی بیت اس کو رقم کیجیے گا
مہربانی سے پھر اے بندہ نواز
کہیے کس روز کرم کیجیے گا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا
پر اُسے آہ نے اثر نہ کیا
سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما
اس طرف کو کبھو گذر نہ کیا
کیوں بھنویں تانتے ہو بندہ نواز
سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا
آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا
سب کے جوہر نظر میں آئے درد
بے ہنر تونے کچھ ہنر نہ کیا

اس نے یاں تک کبھی گذر نہ کیا
تونے اے آہ کچھ اثر نہ کیا
کیوں عبث تیوری بدلتے ہو
میں تو نظارہ بھر نظر نہ کیا
یوں ہی یوں ہی عتاب فرما ہو
نذر کب میں دل و جگر نہ کیا
خوں ہوا دل برنگ لالہ تمام
پر کبھو ہم نے نالہ سر نہ کیا
حیف بیدار تیری آنکھوں میں
خواب نے ایک شب بھی گھر نہ کیا

منزل نگہیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا
یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمانسرائے ہے
غم رہ گیا کبھو کبھو آرام رہ گیا

اہل کمال سے جو ہوا کام رہ گیا
تا حشر یادگار جہاں نام رہ گیا
دل خوں برنگ لالہ ہوا انتظار میں
آتے ہی آتے ساقی گل فام رہ گیا

---

[۱]—یہ عطف میر حسن کے ہاں بھی جائز ہے :-

جہاں میں ہے اندوہ و عشرت بہم
کہیں صبح عیش و کہیں شام غم

(مثنوی سحرالبیان ، مطبوعہ نول کشور پریس ، سنہ ۱۹۲۵ ع ، صفحہ ۸۶) ۔

درد	بیدار
سو بار سوز عشق نے دی آگ پر ہنوز	کمھلائے دل کا حال نظر کر مسردہ ہو
دل وہ کباب تھا کہ جگر خام رہ گیا	جو پھول یاں سحر کو کھلا شام رہ گیا
مدت سے وہ تپاک تو موقوف ہوگئے	جب سے کہ دردعشق ہوا دل میں آمدورم
اب گاہ گاہ بوسہ پہ پیغام رہ گیا	کیا جانئے یاں سے جا کدھر آرام رہ گیا
ساقی میرے بھی دل کیطرف ٹک نگاہ کر	صیاد مست ناز نے آکر خبر نہ لی
لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا	آخر تڑپ تڑپ میں تہ بام رہ گیا

اپنے بندے پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو	ایک دن وصل سے اپنے مجھے تم شاد کرو
یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو	پھر میری جان جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص ہوجائے	آپکی چاہ سے چاہیں ہیں مجھے سب ورنہ
دوستاں درد کو مجلس میں نہ تم یاد کرو	کون پھر یاد کرے تم نہ اگر یاد کرو

اخلاق و تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی چند غیر طرح غزلیں ملاحظہ ہوں ' اشعار کی یکرنگی ' ہمواری اور تسلسل مضامین کی بابت ناظرین خود انصاف فرمائیں :-

کہاں ہم رہے پھر کہاں دل رہے گا
اسی طرح گر تو مقابل رہے گا
کھلی جب گرہ بند ہستی کی تجھہ سے
تو عقدہ کوئی پھر نہ مشکل رہے گا
دل خلق میں تخم احساں کے بو لے
یہی کشت دنیا کا حاصل رہے گا
حجاب خودی اُٹھہ گیا جب کہ دل سے
تو پردہ کوئی پھر نہ حائل رہے گا
نہ پہونچے گا مقصد کو کم ہمتی سے
جو سالک طلب گار منزل رہے گا
نہ ہوگا تو آگاہ عرفان حق سے
گر اپنی حقیقت سے غافل رہے گا
خفا مت ہو بیدار اندیشہ کیا ہے
ملا گر نہ وہ آج کل مل رہے گا

تنہا نہ دل ہی لشکر غم دیکھ ٹل گیا
اس معرکے میں پائے تحمل بھی جل گیا

ہیں گرم گفتگو گل و بلبل چمن کے بیچ
ہوگا خلل صبا جو کوئی بات ہل گیا[۱]

منعم تو یاں خیال عمارت میں کھو نہ عمر
لے کون اپنے ساتھ یہ قصر و محل گیا

اس راہ رو نے دم میں کیا طے رہ عدم
ہستی کے سنگ سے جو شرر سا اُچھل گیا

دیکھا ہر ایک ذرہ میں اس آفتاب کو
جس چشم سے کہ کج نظری کا خلل گیا

گزری شب شباب ہوا روز شیب اخیر
کچھ بھی خبر ہے قافلہ آگے نکل گیا

قابل مقام کے نہیں بیدار یہ سرائے
منزل ہے دور خواب سے اُٹھ دن تو ڈھل گیا[۲]

تھا جو کچھ ہونا سوا ے دل ہوگیا — پھر بھلا کہہ کس پہ مائل ہوگیا
شمع سے روشن ہوا یہ نکتہ رات — سر سے جو گزرا سو کامل ہوگیا
مجھ میں اور اسمیں نہ تھا ہرگز حجاب — پردۂ ہستی ہی حائل ہوگیا
اشک کے مانند راہ عشق میں — رکھتے ہی پا قطع منزل ہوگیا
کیا کیا بیدار تونے ہی غضب — ایسے ظالم کے مقابل ہوگیا

کچھ نہ ایدھر ہے نے اُدھر تو ہے — جس طرف کیجئے نظر تو ہے
اختلاف صور ہیں ظاہر میں — ورنہ معنی یک دگر تو ہے
کیا مہ و مہر کیا گل و لالہ — جس میں دیکھا تو جلوہ گر تو ہے

---

[۱]—ٹل اور کل کے ساتھ ہل کا قافیہ درد کے ہاں بھی ہے :—

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا — اپنا بھی تو جی نکل گیا تھا
میں سامنے سے جو مسکرایا — ہونٹھ اس کا بھی درد ہل گیا تھا

[۲]—میر :—

صبح گزری شام ہونے آئی میر — تو نہ چیتا اور بہت دن کم رہا

ھے جو کچھ، تو سو تو ہی جانے ھے   کوئی کیا جانے کس قدر تو ھے
کس سے تشبیہ دیجئے تجھ، کو   سارے خوباں سے خوب تر تو ھے
تھک گئے ھم تو جستجو میں تری   آہ کیا جانئے کدھر تو ھے
وہ تو بیدار ھے عیاں لیکن   اس کے جلوے سے بے خبر تو ھے

مندرجہ بالا نمونوں سے ناظرین کو اندازہ ھوگا کہ بیدار کے کلام میں کس حد تک سوز و گداز درد و اثر، سادگی و نرمي اور تصوف و اخلاق کی چاشنی پائی جاتی ھے لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ بیدار کا تمام کلام ایسا ھی ھے اور دیوان درد کی طرح دیوان بیدار بھی سر سے پاؤں تک رموز و اسرار اور معرفت و اخلاق کا گنجینہ ھے اور بقول میر حسن کلام حافظ کی طرح "سراپا انتخاب" ھے غلط ھے - اب میں بیدار کے کلام کے بعض اور خصوصیات بیان کرتا ھوں اور ان کی کمزوریوں کی طرف بھی موقع سے اشارہ کروں گا -

یہاں میں ناظرین کو مولوی عبدالحئی مرحوم کے وہ الفاظ پھر یاد دلانا چاھتا ھوں جو پچھلے صفحوں میں پیش کرچکا ھوں یعنی یہ الفاظ کہ بیدار نے "صفائی کے ساتھہ تصوف کا رنگ بہ قدر مناسب شامل کرکے اپنے طرز کلام کو علیحدہ کر لیا" معلوم نہیں مولوي عبدالحئی مرحوم کی نظر سے دیوان بیدار گزرا تھا یا نہیں لیکن ان کی یہ راے بالکل صحیح اور جنچی تلی ھے - "بہ قدر مناسب تصوف کا رنگ" جسے بیدار نے "صفائی کے ساتھہ" اپنے کلام میں شامل کیا ھے آپ نے دیکھہ لیا - اُن کا باقی کلام کم و بیش حسب ذیل خصوصیات سے مملو ھے :—

(۱) اُن کے اشعار میں میر و مرزا اور ایک حد تک خود خواجہ میر درد کے مقابلہ میں انداز بیان کا لطف اور صفائی زبان کا مزہ زیادہ پایا جاتا ھے اور اس حیثیت سے اُن کا کلام اس قدر ترقی یافتہ ھے کہ بعض بعض جگہہ ڈیڑھہ دو سو برس پرانا ھونے کے بجائے دور جدید کا تغزل معلوم ھوتا ھے مثلاً :—

کارواں منزل مقصود کو پہونچا کب کا
اب تک اے واے میں یاں کوچ کے ساماں میں رھا[۱]

---

[۱]—مولانا حالی کا مشہور شعر ھے :—

یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا   ھم محو نالۂ جرس کارواں رھے

لیکن راقم کے نزدیک بیدار کے شعر میں حالي کے مقابلہ میں واقعیت زیادہ ھے، یعنی اسباب باندھنے میں ریل چھوٹ گئی نہ کہ انجن کی سیٹی کی دھن میں فرق ھونے کی وجہ سے -

نرگس کی طرح باغ میں اب چشم وا کئے
حیرت فریب کس کے میں ہوں انتظار کا

ہم نشیں پوچھ نہ باعث تو مری زاری کا
یہ ثمر مجھ کو ملا دل کی گرفتاری کا
گر قدم رنجہ کرے پھر عیادت وہ ادھر
شکر سو جی سے بجا لائے بیماری کا
چاہتا ہوں میں تجھے اس پہ جو چاہو سو کہو
ہوں مقر آپ میں اس اپنی گنہ گاری کا [۱]

دیدار یار تو نہ ہوا یاں نصیب چشم
قسمت میں تھا یہ دیدۂ خوں بار دیکھنا
کیفیت بہار ہے تجھ سے جو تو نہ ہو
بھاتا ہے پھر کسے گل و گلزار دیکھنا

قبول تھا کہ فلک مجھپہ سو جفا کرتا
پر ایک یہ کہ نہ تجھ سے مجھے جدا کرتا

کھینچ کر زلف کی تصویر کو خط میں بھیجوں
تاکہ معلوم کرے حال پریشاں میرا [۲]

---

[۱]—یہ تینوں شعر اور بعض اور اشعار جو انتخاب کئے گئے ہیں اپنی زبان اور انداز بیان کے لحاظ سے مولانا حسرت موہانی کے معلوم ہوتے ہیں ' اگرچہ یہ خود ایک دلچسپ سوال ہے کہ حسرت کہاں تک قدیم رنگ اور انداز بیان میں شعر کہتے ہیں -

[۲]—اس شعر کا غالب کے اس شعر سے موازنہ کیجئے :—

آنکھ کی تصویر سر نامہ پہ کھینچی ہے کہ تا — تجھ پہ کھل جائے کہ مجھکو حسرت دیدار ہے

دونوں کے انداز بیان میں جو فرق ہے اسے اہل ذوق خود محسوس کرینگے - یہ صحیح ہے کہ غالب کے شعر میں خیال کی جدت ہے اور بیدار کے ہاں " زلف کی تصویر " سے " حال پریشاں " عیاں ہونا محض رعایت ہے اور ایک فرسودہ خیال ' لیکن " اولیت ' اور جامعیت " کے لحاظ سے بیدار کا شعر لاجواب ہے - علاوہ اس کے غالب کے شعر میں " کہ تا " پہلے مصرع میں آنا کی

جو اب کے چھوڑے مجھے غم تری جدائی کا
تمام عمر نہ لوں نام آشنائی کا
مرے قدم سے ہے سر سبز بوستان جنوں
ہر ایک آبلہ گل ہے برہنہ پائی کا

ہیں گرم گفتگو گل و بلبل چمن کے بیچ
ہوگا خلل صبا جو کوئی بات ہل گیا [۱]

آج ہنس ہنس کہ وہ کرتا ہے سخن حیراں ہوں
جس سے اک عمر سے میں طالب دشنام رہا

شتاب آ کہ نہیں تاب انتظار مجھے
ترا خیال ستاتا ہے بار بار مجھے
سیا تو ہے پہ کوئی دم میں پھر گریباں کا
جدا جدا نظر آتا ہے تار تار مجھے
تمہاری چشم میں بخت سیہ نے اے خوباں
برنگ سرمہ دیا رنگ اعتبار مجھے
نگاہ مست نے ساقی کی بادۂ جاں بخش
دیا سبھوں کو رکھا کشتۂ خمار مجھے

بہت بری مثال ہے اور ایسے مقام پر واقع ہوا ہے کہ شعر کی صورت مسخ ہوگئی ہے اور جس کی نسبت ' میرے منہہ میں خاک ' اقبال سہیل کا یہ قول کہ " رات کے سناٹے میں تالاب کے کسی اونچے کنارے سے کوئی کچھوا پانی میں آ رہے " یاد آتا ہے واللہ اعلم - (حضرت غالب کی روح پاک سے اعتذار !)

[۱]ــــسودا کے شاگرد میاں معین کا بھی ایک مطلع سنئے :ــــ

اے باد صبا باغ میں مت جائیو تڑکے شاید کہ وہ سوتا ہو کہیں پات نہ کھڑکے

لیکن بیدار کے شعر میں " شعریت " کی جو حقیقی روح موجود ہے اور الفاظ و انداز بیان نے شعر کو جس قدر نازک حباب کی طرح ذراسی ٹھیس سے ٹوٹ جانے والی چیز ' بنا دیا ہے وہ معین کے شعر کو نصیب نہیں بس میں " نزاکت " پائی جاتی ہے - بلکہ " پات نہ کھڑکے " سے یہ بھی گمان ہوتا ہے کہ شاید معشوق پیپل کے درخت کے نیچے پلنگڑی ڈالے سو رہا ہے -

ہم ہی تنہا نہ تری چشم کے بیمار ہوئے
اس مرض میں تو کئی ہم سے گرفتار ہوئے
رخ تاباں سے تمہارے کہ ہے خورشید مثال
در و دیوار سبھی مطلع انوار ہوئے
الحمد کہ مدت میں تم اے نور نگاہ
باعثِ روشنی دیدۂ خوں بار ہوئے

گذر ہماری طرف کر تو اے نگار کبھی تو
کہ کامیاب ہوں ہم سے اُمیدوار کبھی تو
خزان ہجر تو دیکھوں ہوں مدتوں سے اے گل
ریاض وصل کی اپنے دکھا بہار کبھی تو
ٹک آکے اے بت آرام جاں گلے سے مرے لگ
کہ آوے مجھ دل بے تاب کو قرار کبھی تو

اور یہ خوبیاں کچھ چھوٹی بحر کی غزلوں میں اور زیادہ نمایاں ہیں :

نہت دل ہے مشتاق اے یار تیرا
کہ دیکھے نظر بھر کے دیدار تیرا
تری چشم کا سخت بیمار ہوں میں
اگر چہ ہے ہر ایک بیمار تیرا

گل وہ جو بے شکار نکلا   ہر دل ہو اُمید وار نکلا
ہم خاک بھی ہوگئے پر اب تک   جی سے نہ ترے غبار نکلا
غم خوار ہو کون اب ہمارا   جب تو ہی نہ غمگسار نکلا [١]

عاشق نہ اگر وفا کرے گا   پھر اور کہو تو کیا کرے گا
مت توڑیو دل صنم کسی کا   اللہ ترا بھلا کرے گا [٢]

---

[١]—غالب :—

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں   تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا

[٢]—" اللہ ترا بھلا کرے گا " پر انشاء کا " انشاءاللہ دیکھئے گا " یاد آیا ، پورا شعر سنئے :

میں کیسی نباہتا ہوں تم سے   انشاءاللہ دیکھئے گا !

ہے عالم خواب حال دنیا   دیکھے گا جو چشم وا کرے گا
کیا جانیے کیا کرے گا طوفاں   گر اشک یوں ہی بہا کرے گا
بیدار یہ بیت درد رو رو   فرقت میں تری پڑھا کرے گا

”اپنے آنکھوں میں تجھ کو دیکھوں [۱]
ایسا بھی کبھو خدا کرے گا“

حیف ہے ایسی زندگانی پر   کہ فدا ہو نہ یار جانی پر
حال سن سن کے ہنس دیا میرا   کچھ تو آیا ہے مہربانی پر
خون کتنوں کا ہوگیا ہوگا   تیری دستار ارغوانی پر

رات بیدار وہ مہ تاباں
سن کے رویا مری کہانی پر

آپ نے کہنا کیا سب کا قبول   ایک میرا ہی سخن ہے ناقبول
ایک دل ہے اے بتاں اپنی بساط   ناقبول اس کو کرو تم یا قبول

بیدار تو اس جہاں میں آکر   جو چاہے سو میرے یار کیجو
پر جس سے گرے کسو کے دل سے   وہ کام نہ اختیار کیجو

جانیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں   بس بے ظالم تیری بے پروائیاں
صبح ہونے آئی ، رات آخر ہوئی   بس کہاں تک شوخیاں مچلائیاں
جیب تو کیا ناصحا دامن کی بھی   دھجیاں کر عشق نے دکھلائیاں

دیکھتے ہی اس کو شیدا ہوگیا
کیا ہوئیں بیدار وہ دانائیاں

یہ عجیب و غریب قطعہ بھی ملاحظہ ہو :—

کیا سوال میں بیدار سے کہ اے مہجور
کبھی بھی تونے بھلا وصل دل ستاں دیکھا

---

[۱] — دیوان درد ، مطبوعۂ نظامی پریس میں اس شعر کا پہلا مصرعہ یوں ہے :—
اپنی آنکھوں اسے میں دیکھوں

مفارقت ہی میں یا عمر کھوئی میری طرح
کہ عشق میں دل غمگیں نہ شادماں دیکھا
یہ سن کے رونے لگا اور بعد رونے کے
کہا نہ پوچھو جو کچھ میں نے اے میاں دیکھا
فراقِ یار و جفائے شماتت اعدا
غمِ دل و ستم پلد نا صحاں دیکھا
نہ پائی ذرہ بھی اس اشک گرم کی تاثیر
نہ ایک دم اثر نالہ و فغا دیکھا
جہاں میں وصل ہے' سنتا ہوں مدتوں سے' ولیک
سوائے نام نہ اُس کا کہیں نشاں دیکھا

(۲) اُن کے ہاں جذبات و واردات عشق کے نہایت دل کش و موثر مرقعے ملتے ہیں جن میں سوز و گداز کوٹ کوٹ کر بھرا ہے ' اور جن میں ایک طرح کا ترنم اور جوش بھی موجود ہے - بہت سے اشعار جو درد کے رنگ میں اوپر بھی کئے جا چکے ہیں کم و بیش اس ذیل میں آتے ہیں لیکن وہ زیادہ تر تصوف کی شان رکھتے ہیں یہاں چند شعر اور ملاحظہ ہوں : --

ہم کلام اس سے میں یکبار نہ ہونے پایا
تھا مرے جی میں سو اظہار نہ ہونے پایا
حیف پژمردہ ہوا غنچۂ دل کھلتے ہی
زیب یک گوشۂ دستار نہ ہونے پایا

یوں ہی ہے عزم اپنا اس میں جو کچھ ہو پیارے
جی جائے یا رہے اب ملنا ضرور تیرا

مغتنم جانو ہم سے مخلص کو
ڈھونڈھیے گا تو پھر نہ پائیے گا

تجھ بن اے یار جفا کار عجب حالت ہے
دل جدا نالہ کناں چشم سے خوں بار جدا

سیل اشکوں نے دیا خانۂ مردم کو بہا
چشم خوں بار سے طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا

پاس ناموس حیا تھا کہ نہ روئے ہیہات
ورنہ آنکھوں میں ہ ساری ہی بہا جیحوں تھا [ا]
کچھ، تجھے بھی ہے خبر حال سے اس کے ظالم
رات بیمار ترے غم میں بہت معذوں تھا

اپنا تو ہوا تیرے وعدوں ہی میں کام آخر
کیا فایدہ جو تو اب اے وعدہ شکن آیا

تجھ بن ہے بے قرار دل اے ماہ کیا کروں
کٹتی نہیں ہے ہجر کی شب آہ کیا کروں
نے دل نہ دل ربا نہ مرے دل کو ہے قرار
حیراں ہوں اس میں اے مرے اللہ کیا کروں

پاوے کس طرح کوئی کس کو ہے مقدور ، ہمیں
لے گیا عشق ترا کھینچ بہت دور ہمیں

یاں تو جی آن کے ٹھہرا ہے لبوں پر اپنا
آہ کیا جانے خبر اس کو وہاں ہے کہ نہیں

دل کو میں آج ناصحا اس کو دیا جو ہو سو ہو
راہ میں عشق کے قدم اب تو رکھا جو ہو سو ہو
عاشق جاں نثار کو خوف نہیں ہے مرگ کا
تیری طرف سے اے صنم جور و جفا جو ہو سو ہو

[ا] غالب :—
میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے اس کے سیل گریہ میں گردوں کف سیلاب تھا

خواہ کرے وفا و مہر خواہ کرے جفا و جو
دلبر شوخ سنگ سے اب تو ملا جو ہو سو ہو
یا وہ اُٹھاوے مہر سے یا کرے تیغ سے جدا
یار کے آج پاؤں پر سر کو دھرا جو ہو سو ہو

مت پوچھ، تو جانے دے احوال کو فرقت کے
جس طور کٹے کاٹے ایام مصیبت کے
بیدار چھپائے سے چھپتے ہیں کوئی تیرے
چہرے سے نمایاں ہیں آثار محبت کے

اب تک مرے احوال سے واں بے خبری ہے
اے نالۂ جاں سوز یہ کیا بے اثری ہے

تجھ عشق کا دعویٰ نہیں اے یار زبانی
ہے شمع صفت داغ مرے دل پہ نشانی
کیا کیا نہ ترے جور و جفا میں نے اٹھائے
پر تو نے مری آہ کبھی قدر نہ جانی
گذری ہے جو کچھ، دل پہ نہ آوے ہے زباں پر
بیدار نہیں حالت عشاق بیانی

تجھ بن ہے ایک دم نہیں آرام جاں مجھے
اس حال میں تو چھوڑ چلا اب کہاں مجھے
صورت کو اپنی آپ میں پہچانتا نہیں
ایسا کیا ہے غم نے ترے ناتواں مجھے

نہ کر بہار میں بلبل کو قید اے صیاد
کہ مثلِ شمع جلے گی وہ داغ میں گل کے

آہ جس دن سے تجھ سے آنکھ لگی
دل پہ ہر روز اک نیا غم ہے

رات مت پوچھ کہ تجھ بن جو مصیبت گزری
صبح تک جان عجب دل پہ قیامت گزری
عشق میں اس مہ کے مہر نے دیکھا بیدار
آہ کیا کیا نہ ترے جی پہ اذیت گزری

اتنا تو وہ نہیں ہے کہ بیدار دیجے دل
کیا جانے پیاری اس کی تجھے کیا ادا لگی [۱]

(۳) اُن کے کلام میں بحیثیت مجموعی ایک طرح کی رنگینی و شادابی پائی جاتی ہے جو کم از کم میر اور درد کے ہاں عام طور پر نہیں پائی جاتی - یہ خوبی زیادہ قابل قدر اس لئے ہے کہ بعض جگہ مضامین کے اعتبار سے ایسی رنگینی پیدا کرنا محال نظر آتا ہے - یہ بات کچھ تو لطیف و نادر تشبیہات سے پیدا ہوئی ہے اور کچھ عام اسلوبِ ادا و رنگِ طبیعت کی وجہ سے مثلاً :—

گرچہ دل کش ہے دل ربا کی ادا
پر نکیلی ہے تری بانکی ادا
کھپ گئی جی میں اُس جواں کی ادا
بل بے تیکھی نگاہ بانکی ادا
خندۂ گل میں کب ہے اتنا لطف
جو ہے ہنسنے میں اس دہاں کی ادا
باتوں باتوں میں دل لیا بیدار
دیکھی اس میرے دل ستاں کی ادا

چھوٹ کر چشم سے دل تیری زنخداں میں گرا
مست میخانہ سے جا چشمۂ حیواں میں گرا!

---

[۱] — سودا کا مقطع مشہور ہے :—
سودا جو ترا حال ہے اتنا تو نہیں وہ   کیا جانیے تو نے اسے کس آن میں دیکھا
لیکن انصاف شرط ہے ، بیدار کا شعر بھی کسی طرح اس سے کم درجہ پر نہیں رکھا جا سکتا -

مصرعۂ قد کا ترے مصرعۂ ثانی نہ ہوا
سرو ہر چند کہ بر جستہ و خوش موزوں تھا

گیا درسِ کتب مدت سے یادِ چشم ساقی میں
مگر پڑھنے میں آتا ہے کبھو دیوان جامی کا

بیدار پیجے اس شبِ مہتاب میں شراب
ہے دستِ سرخ یار میں مینائے آفتاب

یاد میں اس قد و رخسار کی اے غم زدگاں
جا کے تک باغ میں سیر گل و شمشاد کرو

کیا ہی اب کی دھوم سے اے میکشاں آئی بہار
ساغرِ گل میں شرابِ ارغواں لائی بہار !

طاقت نہیں ہے صبر کی اس ابر میں مجھے
ساقی شتاب بادۂ گل گوں سے بھر ایاغ !

چاہ کا تجھ کو مرے دل پہ گماں ہے کہ نہیں
بوئے گل دیکھ تو غنچہ میں نہاں ہے کہ نہیں

ماہ رخسار ، ہلال ابرو و خورشید جبیں
شمع روشن کنِ کاشانۂ اربابِ یقیں
گل بدن ، غنچہ دہن ، سروقد و نرگس چشم
یعنی سر تا بہ قدم باغ و بہار رنگیں
مست و بےباک و غزل خوان و پریشاں کاکل
بزم میں آکے بصد ناز ہوا صدر نشیں
دیکھ کر چاہے کہ تصویر کو کھینچے اس کی
نقشِ دیوار ہو صورت گرِ بت خانۂ چیں

جاکے بیدار کو دیکھا تو عجب حالت ہے
دل ہے افگار جگر خستہ و جاں ہے غمگیں
شدتِ درد و الم سے ہے نہایت بے تاب
چشمِ خوں بار سے تر ہیں در و دیوار و زمیں!

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کی
کہاں تجھہ لب کے آگے قدروقیمت لعل ومرجاں کی

اس کے عارض پہ ہے عرق کی بوند
یاکہ بیدار گل پہ شبنم ہے

لب رنگیں ہیں ترے رشکِ عقیقِ یمنی
زیب دیتی ہے تجھے نامِ خدا کم سخنی

کیونکر عاشق سے بھلا کوچۂ جاناں چھوٹے
بلبلِ زار سے ممکن ہے کہ بستاں چھوٹے

ساقی نہیں ہے ساغر مے کی طلب ہمیں
آنکھیں تیری دیکھہ کے بیہوش ہوگئے

عجب مزہ ہے کہ پیتے ہیں نونہال چمن
سبوئے غنچہ سے بھر مے ایاغ میں گل کے

عیاں ہے شکل تری یوں ہمارے سینے سے
کہ جوں شراب نمایاں ہو آبگینہ سے
گیا ہے جب سے تو ویراں ہے گھر مرے دل کا
کہ زیب خانۂ خاتم کو ہے نگینہ سے

(۴) اور لطیف و رنگین تشبیہات کے پردے میں اور اپنے رنگِ طبیعت کی وجہ سے وہ کہیں کہیں ایسے دقیق مسائل اور وسیع خیالات نظم کر جاتے ہیں جن کی تشریح و تحلیل کے لیے دفتر کے دفتر چاہئیں - اس حیثیت سے اُن کے معاصرین میں سے بہ استثنائے میر دوسرے شعرا شاید اُن کے مقابل مشکل سے لائے جاسکتے ہیں مثلاً :—

ہرایک ذرہ میں یوں جلوہ‌گر ہے وہ خورشید
کہ جس طرح سے ہے موج و حباب میں دریا

ہم‌تو ہرشکل میں‌یاں آئینہ خانہ کی مثال
آپ‌ہی آتے ہیں نظر سیر جدھر کرتے ہیں

جذب تیراہی اگر کھینچے تو پہونچیں ورنہ
تجھ‌کو سنتے‌ہیں‌پرےواں‌سے جہاں‌جاتے ہیں

ہم کو منظور نہیں سیروتماشا سے کچھ اور
دید تیری‌ہی ہے منظور جدھر جاتے ہیں

باپ کا ہے فخر وہ بیٹا کہ رکھتا ہو کمال
دیکھ آئینہ کو فرزندِ رشیدِ سنگ ہے
یہ صدا گھر گھر کرے ہے آسیا پھر پھر مدام
مشتِ گندم‌کے لیے چھاتی‌کے اوپر سنگ ہے

آمد و رفتِ سبک روحاں سے کون آگاہ ہے
شمع سے کس نے سنی آواز پا رفتار کی

غیبت ہی میں‌ہے اس‌کی ہمارا ظہور یاں
وہ جلوہ گر جب آکے ہوا ہم کہاں رہے
مثلِ نگاہ گھر سے نہ باہر قدم رکھا
پھر آئے ہر طرف یہ جہاں کے تہاں رہے

اور اسی طرح اُن کے دیوان میں تلاش سے کہیں کہیں ایسے اشعار بھی ملجاتے ہیں جن میں کوئی ایسا منفرد ' قائم بالذات مضمون نظم کیا گیا ہو جسے آج کل کی زبان میں ' فلسفیانہ شاعری '' کہئے - اُردو شاعری میں اس قسم کے اشعار لے دے کے چند ہی قسم کے مضامین تک محدود ہیں مثلاً دنیا کی سفلہ پروری ' گردشِ روزگار ' صبر و قناعت ' گوشہ نشینی ' اخلاق و موعظت وغیرہ لیکن میری مراد یہاں ایسے مضامین سے ہے جن میں دنیا یا زمانہ کے متعلق کوئی اہم حقیقت ' کوئی اٹل صداقت بیان کی گئی ہو ' حیات کے کسی ایک رخ کی تفسیر ' زندگی سے متعلق کوئی ایسا اہم نکتہ ' کوئی راز جس کی کھٹک سے انسانی دل بے چین ہو اور وہ شعر یا مضمون اس بے چینی کی خلشوں کو مٹائے ' یا کم از کم انسان کو اس مسئلہ پر غور انگیزی ہی کا موقع بخشے - ایسے مضامین سے ہمارے قدیم شعرا کے دیوان خالی ہیں اور یہ فلسفۂ حیات کی تفسیر جدید شاعری کا موضوع ہے جس کی ابتدا غالب سے ہوئی ہے - بیدار کے ہاں بعض ایسی صداقتیں اس خوبی سے نظم ہو گئی ہیں کہ شاعر کے حق میں دعائے خیر کرنے کو جی چاہتا ہے اور یہ دیکھتے ہوئے کہ یہ کلام ڈیڑھ دو سو برس کا ہے بڑی حیرت ہوتی ہے - اس قبیل کے چند شعر ملاحظہ ہوں :—

اعتقادِ مومن و کافر ہے وہ بر ورنہ پھر
کچھ نہیں دیر و حرم میں خاک ہے یا سنگ ہے

بانگِ دل باعثِ گردن شکنی ہے گل کی
غنچہ سالم ہے کہ جب تک اُسے خاموشی ہے [1]

سمجھتا ہے اسی کا جلوہ کہ غیب شہادت کو
نہیں کچھ فرق عارف کو سفیدی اور سیاہی میں

---

[1] —اس شعر کی داد علامہ اقبال دیں گے جو کہتے ہیں :—
منصور کو ہوا لب گویا پیام موت اب کیا کسی کے عشق کا دعوی کرے کوئی
اس " لب گویا " کی تفسیر کے لیے ایک دفتر چاہئے مگر " محسوسات " کو الفاظ میں قید کرنا گویا ان کی وسعت کو محدود کرنا ہے ' اس لیے بقول حضرت اصغر ؎ " خاموش ہوں کہ معنی صد رنگ ہیں خامشی کے "

چکا کر خوابِ آسایش سے بیدار آہ ہستی میں
عدم آسودگاں کو لاکے ڈالا ہے تباہی میں

ہے بہارِ رنگ و بوئے تازہ روئے خصمِ جاں
سالم آفاتِ سماوی سے گلِ پژمردہ ہے

(۵) کہیں کہیں لطیف اور سنجیدہ قسم کی ظرافت کی مثالیں بھی ملتی ہیں جو بیدار کے ہم عصروں میں بہ استثنائے سودا جن پر ہجو گوئی کا کمال ختم ہو گیا کم یاب ہیں - اُردو شاعری میں ابتدا ہی سے " طنزیات " کے معنی بیہودہ مذاق اور پھکڑ کے سمجھے گئے ہیں اور شیخ اور زاہد کی جانیں اُن سے ابد تک محفوظ نہیں نظر آتیں - یہ موضوع اس قدر فرسودہ ہو گیا ہے کہ اب اس کے ذکر سے بھی اذیت ہوتی ہے لیکن بیدار کے ہاں یہ مذاق ایسا معتدل رنگ لئے ہے جس سے طبیعت کو انقباض و تنفر کے بجائے ہلکا ہلکا سرور و کیف حاصل ہوتا ہے مثلاً :—

شورِ سودائے جنوں سے مرے اب کی بیدار
جز معلم نہ کوئی طفل دبستاں میں رہا

وجدِ اہلِ کمال ہے کچھ اور
شیخ صاحب کا حال ہے کچھ اور
فخرِ انساں نہیں ملک ہونا
جس میں اپنے خیال ہے کچھ اور

اے شیخ تو اس بت کے کوچے میں تو جاتا ہے
ہو جائے نہ یہ سبحہ زنار ' خدا حافظ !

نہ کر مستوں سے کاوش ہر گھڑی آ مان کہتا ہوں
خلل آ جائے گا زاہد تری عصمت پناہی میں

خرقہ رہنِ شراب کرتا ہوں   دلِ زاہد کباب کرتا ہوں

کیا ہے تنگ مجھے سخت ناصحوں نے یہاں
جو تو ہو آکے نمایاں تو کیا تماشہ ہو

زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں میخوار کئی
ابھی یاں چھین لیے جبہ و دستار کئی

کس کے آگے میں کروں چاک گریباں اپنا
کہ ترے ہاتھ سے ناصح مرا داماں چھوٹے

(۶) بایں ہمہ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بیدار کے کلام میں کمزوریاں نہیں ہیں اور ان کا دیوان شروع سے آخر تک اسی طرح کے ہموار اور انتخابی اشعار سے بھرا پڑا ہے - بیدار کے دیوان میں ایہام ' رعایت لفظی ' عامیانہ جذبات نگاری اور بے مزہ اشعار کی مثالیں بھی ملتی ہیں اور چاہیے تو یہ تھا کہ بطور " مشتے نمونہ از خروارے " وہ بھی یہاں پیش کی جاتیں لیکن اس قسم کے اشعار کم ہیں اور انہیں نقل کرنا بیکار ہے ' ایسا کرکے میں اس مضمون کو خراب نہیں کرنا چاہتا - ناظرین کو اصل دیوان میں یہ چیزیں ضرور ملیں گی - اس معاملہ میں اُن کی مثال درد کے خلاف میر کی ہے جن کے ہاں پست و بلند ہر طرح کے اشعار موجود ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میر کے متعلق آزردہ کا جو یہ قول ہے کہ " پستش بہ غایت پست و بلندش بہ غایت بلند " وہ ایک حد تک یہاں بھی صادق آتا ہے - اسی کے ساتھ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ بیدار کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب کہ اُردو شاعری کی ابتدا تھی ' ایک طرف تو پیشرو قدما شاہ مبارک آبرو وغیرہ کے خصوصیاتِ شاعری اور اُن کے اثرات پورے طور پر نہ صرف دل و دماغ سے محو نہ ہوئے تھے بلکہ نو مشق شعرا کے لیے آئڈیل کا کام کرتے تھے اور بطور کلاسیکل شاعری کے پیش نظر تھے - یہاں تک کہ میر تقی میر جیسا شاعر اپنے تذکرہ میں اس زمانہ کے مذاق سے نمایندہ اشعار میں اس قسم کے شعر بھی پیش کرنے کے لئے مجبور تھا :-

خط کترا کے آج تیلنچی سے　　ہم سے سامنے میں جائے ہے کترا

شیخ جو حج کو چلا چڑھ کے گدھے پر یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

دوسری طرف مرزا مظہر ' میر ' درد اور سودا جیسے مصلحین اور مجتہدینِ فن کی کوششیں صرف آغاز ہوئی تھیں اور اپنا پورا پورا اثر ظاہر نہ کر پائی تھیں - بیدار بھی اسی زنجیر کی ایک کڑی تھے - ایک نیم پختہ ' تنگ اور خاردار راستہ کو خس و خاشاک سے پاک کرنا اور کانٹوں کے بجائے وہاں گل بوٹے اُگانا ' اُسے وسعت و پختگی بخش کے خوبصورت سایہ دار پودوں سے اس کے اطراف کو مزین کرنا دشوار کام ہے جس کے لیے ایک مدت درکار ہے - کسی جماعت کے ' خواہ وہ کتنے ہی چھوٹی اور محدود کیوں نہ ہو ' رجحانات و میلانات کے بہاؤ کا رخ ایک دن میں نہیں پھیرا جاسکتا ' ایک فرد کے میلانات کا رخ نہیں پھیرا جاسکتا ' یہاں تک کہ خود ایک مصلح ' ایک لیڈر جو ایک خاص ماحول میں پلا اور بڑھا ہو اُن اثرات سے جنھیں وہ زایل کرنا اور کرانا چاہتا ہے اک دم سے اپنے کو مامون اور محفوظ نہیں کرسکتا کیونکہ وہ اس کا مایۂ خمیر ہیں اور اُسے وراثتاً اپنے پیشرووں سے ملے ہیں - اس لئے ہم بیدار کو معذور سمجھتے ہیں اور انھیں اُن کی کمزوریوں کے لئے معاف کرسکتے ہیں ' خصوصاً جب کہ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ اُن کے کلام کا بہت بڑا حصہ ایسے رنگ کا سرمایہ دار ہے جس میں حقیقی شاعری کی روح موجود ہے اور جو اپنی دلکشی اور مرغوبی کی وجہ سے ان کے نام اور کام کو بقائے دوام بخش سکتا ہے - اور یہ یاد رکھئے کہ ہم اُن قدیم محترم بزرگوں کو آج کے معیارِ مذاق سے جانچ کر اُن کے ساتھ انصاف نہیں کرسکتے ' اس کے لیے ہمیں اسی زمانہ کے مذاق کا جامہ پہن کر اُن کے حضور میں جانا ہوگا -

بیدار اور کلام بیدار کی نسبت جو کچھ مجھے لکھنا تھا میں لکھ چکا اور جو رائے آپ کو قایم کرنی تھی آپ قائم کر چکے - اب ذرا انصاف کیجئے کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے کہ ایسے باکمال شاعر کے حالات اور اُس کی شاعرانہ عظمت سے نقادانِ ادب - قطعاً ناواقف رہے اور اس کے کمال کی

کسی تذکرہ نویس نے اس کے استحقاق کے موافق داد نہیں دی - یہی نہیں بلکہ اس کے کلام کے انتخاب میں بھی انہوں نے بہت بخل اور بے پروائی سے کام لیا ' میر ' قایم اور شفیق کے تذکروں میں صرف وہ ایک شعر ہے جو میں نے اپنے مضمون کے آغاز میں پیش کیا ہے اور جیسا کہ میں نے دکھایا ہے وہ بھی غلط - میر حسن کے تذکرہ میں تین شعر ہیں ' شعرالہند میں چودہ ' نساخ کے ہاں سترہ - صرف مولوی عبدالحئی نے تیئیس شعر دیئے ہیں اور مرزا علی لطف نے بھی بڑی فیاضی سے کام لیا ہے اور اتہتر شعر انتخاب کیے ہیں ' کم و بیش ان سب تذکروں میں وہ غلط شعر بھی بجلسہ موجود ہے - رہے حالات زندگی سو اُس کی توقع قدیم تذکرہ نویسوں سے فضول ہے -

زمانہ کی بے مہری کی کیا شکایت کی جائے ' معلوم نہیں کیسے کیسے باکمال اس نے پیدا کئے جو آج گوشۂ گم نامی میں زیرِ خاک پڑے آسودۂ خواب ہیں اور کوئی اُن کا نام بھی نہیں جانتا - بیدار اپنے زمانہ کے اُن شعرا میں سے تھے جو سستے اور معمولی نہ تھے اس کا ثبوت یہ ہے کہ ڈیڑھ، دو سو برس کا زمانہ گزر جانے پر بھی ہم اُن کا کلام پڑھ کے انہیں سستا اور معمولی نہیں سمجھتے - مگر آج کون ہے جو اُن کی زندگی کی دو باتیں ہمیں سنائے اور اُن کی مجلسوں کے مرقعے اور اُن کی ہما ہمی کے نقشے ہمارے سامنے لائے....... مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب آبِ حیات میں اس محرومی کا بڑا الم ناک رونا رویا ہے " میرے دوستو ' زندگی کے معنے کھانا ' پینا ' چلنا پھرنا ' سو رہنا اور منہہ سے بولے جانا نہیں ہے - زندگی کے معنے یہ ہیں کہ صفاتِ خاص کے ساتھہ نام کو شہرت عام ہو اور اسے بقائے دوام ہو - اب انصاف کرو کیا یہ تھوڑے افسوس کا موقع ہے کہ ہمارے بزرگ خوبیاں بہم پہونچائیں ' انہیں بقائے دوام کے سامان ہاتھہ آئیں اور اس نام کی زندگی سے بھی محروم رہیں - بزرگ بھی وہ بزرگ کہ جن کی کوششوں سے ہماری ملکی اور کتابی زبان کا لفظ لفظ اور حرف حرف گراں بار احسان ہو - ان کے کاموں کا اس گم نامی کے ساتھہ صفحۂ ہستی سے مٹنا بڑے حیف کی بات ہے - جس مرنے پر ان کے اہل و عیال روئے وہ مرنا نہ تھا ' مرنا حقیقت میں ان باتوں کا مٹنا ہے جس سے ان کے کمال

مرجائیں گے اور یہ مرنا حقیقت میں سخت غمناک حادثہ ہے " [۱] -
. . . . . مگر میں خوش ہوں کہ میر محمدی بیدار کا کمال شاعری نہیں مرسکا کیونکہ اتنے عرصہ گوشۂ گمنامی میں پڑے رہنے کے بعد آخر دیوان بیدار کے طباعت و اشاعت کا کام ایک با ہمت اور غیور ادارے ' ہندستانی اکیڈیمی ' صوبۂ متحدہ آگرہ و اودہ نے اپنے ذمہ لیا ہے اور اگرچہ اس کے ترتیب و مقابلہ کا کام اور اس پر مقدمہ لکھنے کا فرض مجھہ ناچیز کو سونپا گیا ہے جو اپنی کوتاہیوں سے واقف ہے اور جس کے خامیوں سے کتاب کا معنوی پلہ ہلکا ہونے کا اندیشہ ہے پورا یقین ہے کہ اس کمی کی تلافی اکیڈیمی کے حسن طباعت و خوش سلیقگی سے ہوجائے گی اور دیوان بیدار کا ایک ایسا عمدہ اور دیدہ زیب نسخہ ناظرین کے ہاتھہ آجائے گا جیسا شاعر کی زندگی میں بھی ممکن نہ تھا اور اس کے کمال پر نظر رکھتے ہوئے گویا اُس کا حق تھا -

میں نے یہ دیوان اپنے اور مولوی احسن مارہروی صاحب کے نسخے سے مقابلہ کر کے تیار کیا ہے اگرچہ میرے اور میری فرمائش پر اکیڈیمی نے اُن حضرات کو جن کے پاس دیوان بیدار کے نسخے موجود تھے خطوط لکھے مگر کسی بزرگ نے اس کار خیر میں میری مدد کرنا ضروری نہیں سمجھا - اس لیے مجھے ان حضرات کا شکوہ اور احسن صاحب کا شکریہ عرض کرنا ہے - احسن صاحب کا نسخہ ' ناقص و نا مکمل ہے اور کسی حد تک زیادہ پرانا معلوم ہوتا ہے اور اس کا کاتب بھی بہت بد خط ہے تاہم مقابلہ فایدہ سے خالی نہیں رہا - اس سے ایک پوری غزل نئی ملی اور اشعار تو بہت سے ملے - بعض جگہ دونو نسخوں کے متن میں اختلاف تھا - ایسے موقعوں پر میں نے شاعر کے زمانے کے زبان کا خیال رکھا ہے اور اپنی محدود بصیرت کے مطابق جو صورت بہتر اور زیادہ صحیح معلوم ہوئی اُسے متن میں قائم رکھا ہے - ہاں اختلاف ظاہر کرنے کو دوسری صورت حاشیہ پر دکھا دی ہے - جہاں کہیں کتابت کی غلطیاں تھیں وہاں بھی اپنے عقل و ذوق کو راہ دی ہے - یہ ظاہر کرنے سے مطلب یہ ہے کے دیوان کے اس قسم کی خامیوں کی ذمہ‌داری شاعر پر نہیں مجھہ ناچیز پر ہے - خدا کرے یہ دیوان اہل ذوق میں مقبول ہو -

---

[۱]—دیباچہ آب حیات ' صفحہ ۳ -

اب میں اپنے اس مضمون کو بیدار کے دیوان سے ایک یہ آخری " سادہ پرکار " غزل نقل کر کے ختم کرتا ہوں :—

میر مجلسِ رنداں آج وہ شرابی ہے
خونِ دل جسے میرا بادۂ گلابی ہے
عیش چاهئے جو کچھ سو تو آج ہے موجود
جام مے ہے ' ساقی ہے سیر ماهتابی ہے
صبح ہونے دے تک تو رات ہے ابھی باقی
تجھ کو گھر کے جانے کی ایسی کیا شتابی ہے
ہم ہیں اور تم ہو یاں غیر تو نہیں کوئی
آ گلے سے لگ جاؤ وقتِ بے حجابی ہے
چشم کو ہے بے خوابی دل کو سخت بیتابی
ہجر میں ترے ظالم یہ یہ کچھ خرابی ہے
کیوں نہ بزم میں بیدار ہوئے قابلِ تحسین
ہر یک اس غزل کے بیچ شعر انتخابی ہے

نذیر احمد روۃ
مسلم یونیورسٹی ' علیگڈھ
۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۳۵ء

جلیل احمد قدوائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہے نام ترا باعثِ ایجاد رقم کا
محتاج نہیں وصف ترا لوح و قلم کا
مقدورِ بشر کب ہے تری حمد سرائی
کیا قطرۂ ناچیز سے اوصاف ہو یم کا
کیا جانے کہاں جلوہ نما تو ہے کہ یاں تو
ہے داغ تری یاس سے دل دیر و حرم کا
گر دست کشاں جذبۂ توفیق ہو تیرا
تو پہونچوں وگرنہ نہیں مقدور قدم کا
تجھ گلبنِ محبت کا طلب گار پھروں ہوں
نے طالب دینار نہ مشتاق درم کا
تا پاک ہو ہر بندۂ آلودۂ عصیاں
ہے بحر تموج میں ترے لطف و کرم کا
پہونچائیو واں میرے تئیں حشر میں یا رب
سایہ ہو جہاں احمدِ مرسل کے علم کا
شاہِ دو جہاں، فخرِ زماں، سرورِ پاکاں
ہے کحلِ بصر ذرۂ خاک اس کے قدم کا
وہ مظہرِ فیاض کہ انعام سے جس کے
کیسہ ہو جواہر سے تہی معدن و یم کا
ہر ذرہ ہے خورشیدِ شفاعت کا طلب گار
اُس سے کہ وہ بخشندہ ہے عصیاں اُمم کا
تشریفِ شرف صدق نے صدیق سے پایا
مشہورِ جہاں اس سے ہوا نام کرم کا

لے ہاتھہ میں شمشیر عدالت کی عمر نے
قبضہ میں کیا ملک عرب اور عجم کا
عثماں کہ ثنا اس کی ہے تقریر سے افزوں
تحریر کرے کیا نہیں مقدور قلم کا
سلطانِ ولایت اسداللہ کہ جس کی
ہیبت سے جگر آب ہو شیرانِ رجم کا
ظالم کشی و عدل سے اُس سرورِ دیں کی
حک صفحۂ عالم سے ہوا نام ستم کا
دل صاف کر آلایشِ دنیا سے کہ یہ دل
آئینہ ہے اسکندری و جام ہے جم کا
تک دیدۂ دل کھول کے تو دیکھ، کہ رخشاں
ہر ذرۂ حادث میں ہے خورشید قدم کا
ہو جلوہ گر آئینۂ تشبیہ میں تنزیہہ
گر تفرقہ اُٹھ جائے وجود اور عدم کا
اس ہستیِ موہوم پہ غفلت میں نہ کھو عمر
بیدار ہو آگاہ، بھروسا نہیں دم کا

گل چینِ ستایش ہوں چمن سازِ جہاں کا
دریا ہے گہر جوش مری طبعِ رواں کا
کیا بلبلِ فکر اس میں گل افشانِ سخن ہو
ہے لال جہاں ناطقہ طوطیِ بیاں کا
شکر ایک بھی احساں کا ادا ہوئے نہ مجھ سے
ہوں ہر سرِ مو سے میں اگر کام زباں کا
میں خاک نشیں ہوں مرا آلودۂ عصیاں
کس منہ سے کروں وصف اب اس عرش مکاں کا
یک جلوۂ دیدار اگر پاؤں میں تیرا
ناقص ہوں جو پھر لوں میں کبھی نام بتاں کا

چاہے کہ ہو جمعیتِ دل غنچہ کے مانند — کر مہرِ خموشی کے تئیں قفل دہاں کا
جاتا ہے چلا قافلۂ اشک شب و روز — معلوم نہیں اس کا ارادا ہے کہاں کا
کیا پوچھتے ہو تابہ عدم سیر کر آئے — پایا نہ سراغ اس دہنِ موے میاں کا

ہر ذرہ میں وہ مہرِ دل افروز ہے رخشاں
سچ کہتے ہیں بیدار بیاں کیا ہے عیاں کا

کہاں ہم رہے پھر کہاں دل رہے گا — اسی طرح گر تو مقابل رہے گا
کھلی جب گرہ بندِ ہستی کی تجھ سے — تو عقدہ کوئی پھر نہ مشکل رہے گا
دلِ خلق میں تخمِ احساں کے بولے — یہی کشتِ دنیا کا حاصل رہے گا
حجابِ خودی اٹھ گیا جب کہ دل سے — تو پردہ کوئی پھر نہ حائل رہے گا
نہ پہونچے گا مقصد کو کم ہمتی سے — جو سالک طلب گارِ منزل رہے گا
نہ ہوگا تو آگاہ عرفانِ حق سے — گر اپنی حقیقت سے غافل رہے گا

خفا مت ہو بیدار اندیشہ کیا ہے
ملا گر نہ وہ آج کل مل رہے گا

دیتا نہیں دل لے کے وہ مغرور کسی [۱] کا
سچ ہے کہ نہ ظالم سے چلے زور کسی کا
آرایشِ حسن آئینہ رکھ کرتے ہو ہر دم
لینا ہے مگر دل تمہیں منظور کسی کا
وہ شوخ ، پری رشک ، بکف تیغ ، سیہ مست
آتا ہے کئے شیشۂ دل چور کسی کا
بے وجہ نہیں پاسِ دل اربابِ وفا کو
ہے جلوہ گر اس آئینہ میں نور کسی کا
یہ قصر یہ ایوان جو دیکھو ہو شکستہ [۲]
یک وقت میں تھا خانۂ معمور کسی کا
دیکھے جو نظر بھر کے کوئی سامنے میرے [۳]
اتنا تو میں دیکھوں نہیں مقدور کسی کا

---

[۱] — کسو -
[۲] -- آتا ہے نظر یاں جو ہر ایوان شکستہ
[۳] — کیا بات (تاب) مرے سامنے بولے کوئی تجھہ سے -

بیدار مجھے یاد اُسی کی ہے شب و روز
نے بات کسی کی ہے نہ مذکور کسی کا

آنکھوں میں چھا رہا ہے از بس کہ نور تیرا
ہر گل میں دیکھتا ہوں رنگ و ظہور تیرا
گھیرا تو ہے سر رہ ہو منتظر و لیکن
کیا جانئے کدھر سے ہووگا عبور تیرا
عجز و نیاز میرا حد سے زیادہ گذرا
ویسا ہی اب تلک ہے ناز و غرور تیرا
یوں ہی ہے عزم اپنا اسمیں جو کچھ ہو پیارے[۱]
جی جاے یا رہے اب ملنا ضرور تیرا
بیدار وہ تو ہر دم سوسو کرے ہے جلوہ
اس پر بھی گر[۲] نہ دیکھے تو ہے قصور تیرا

دل خدا جانے کہاں تیرے گلستاں میں رہا
سنبلِ زلف میں یا نرگسِ فتّاں میں رہا
حیف اے نورِ نظر تجھ کو نہ آئی غیرت
اشک آ تیری جگہ دیدۂ گریاں میں رہا
جاؤ اے ہم سفراں ہاتھ اُٹھاؤ مجھ سے
میں تو جوں نقشِ قدم کوچۂ خوباں میں رہا
کارواں منزلِ مقصود کو پہونچا کب کا
اب تک اے واے میں یاں کوچ کے ساماں میں رہا
یاں تلک رونے ترے غم میں کہ اب آنسو کا
ایک قطرہ بھی نہ اس دیدۂ گریاں میں رہا
ناصحا فکرِ رفو تجھ کو ہے اب تک اے واے
یاں تو اک تار بھی ثابت نہ گریباں میں رہا

---

[۱] — سو ہو -
[۲] — جو تو -

تو اُدھر عیش و تنعم میں رہا اپنے خوش
میں اُدھر غم میں تیرے نالہ و افغاں میں رہا
کب دماغ اُس کو کہ نظارۂ فردوس کرے
جو کوئی غنچہ صفت سیرِ گریباں میں رہا
شورِ سودائے جنوں سے مرے اب کے بیدار
جز معلم نہ کوئی طفل دبستاں میں رہا

چھوٹ کر چشم سے دل تیرے زنخداں میں گرا
مست میخانہ سے جا چشمۂ حیواں میں گرا
آب میں آتی ہے کیا[۱] بوئے کبابِ ماہی
اشکِ گرم آہ یہ کس چشم سے عماں میں گرا
سرو و گل تیرے قد و عارضِ رنگیں کے حضور
نظرِ قمری و بلبل سے گلستاں میں گرا
پہونچے منزل کو رفیق ایک مگر میں تنہا
ضعف سے دوہی قدم چل کے بیاباں میں گرا
جوں ہی یاد اس نگہِ تیز کی آئی بیدار
ووہیں لختِ جگر آچشم سے داماں میں گرا

تیرے دنداں سے فقط دُرہی نہ عماں میں چھپا
لعل بھی لب سے ترے کانِ بدخشاں میں چھپا
کردیا عشق کو ظاہر مرے تونے اے اشک
ورنہ یہ راز میں رکھتا تھا دل و جاں میں چھپا
عبث اے ابر نہ کر دعویِ ہم چشمی تو
آب صد بحر کا اس دیدۂ گریاں میں چھپا
ناتوانی سے مری دیکھیو اے دستِ جنوں
رہ گیا ہو نہ کہیں تار گریباں میں چھپا
ہے یہ ممکن کہ چھپے پردۂ فانوس میں شمع ؟
چاندسے منھ کو عبث لیئے ہو داماں میں چھپا

---

[۱]—یاں ۔

گلشنِ عشق میں جوں غنچۂ لالہ اے دل
رکھیو اس داغ کو تو سینۂ سوزاں میں چھپا
دلِ غم دیدۂ بیدار کئی دن سے ہے گم
کہہ تو ہے زلف میں یا تیرے زنخداں میں چھپا

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجئے گا ایک ملنے کو نہ کم کیجئے گا
بھاگنا خلق سے کچھ کام نہیں قصد ہے آپ سے رم کیجئے گا
گر وہی یوں ہی گل افشانیِ اشک جا بجا رشکِ ارم کیجئے گا
گر یہی زلف و یہی مکھڑا ہے غارتِ دیر و حرم کیجئے گا
جی میں ہے آج بجائے مکتوب ق یہی بہت اُس کو رقم کیجئے گا
مہربانی سے پھر اے بندہ نواز کہئے کس روز کرم کیجئے گا
نیند آوے گی نہ تنہا بیدار
تا نہ خواب اُس سے بہم کیجئے گا

احوال سن مری مژۂ اشکبار کا پانی ہو بہ گیا جگر ابرِ بہار کا
جوشِ بہار دیکھ کے اُس گل عذار کا ہے داغ داغ رشک سے دل لالہ زار کا
نرگس کی طرح باغ میں اب چشم وا کئے حیرت فریب کس کے میں ہوں انتظار کا
کرنا تو آہ سے مری اے سنگ دل حذر ٹکڑے ہوا اس آگ سے دل کوہسار کا [۱]
مشاطہ دیکھ شانہ سے تیرا کٹے گا ہاتھ ٹوٹا گر ایک بال کبھو زلفِ یار کا
لاگا نہ ہاتھ دل کہیں جھاڑا بھی لے چکے جوں شانہ اس کی زلف سے ہم تار تار کا
ٹھہرے نہ ایک حرف بھی کاغذ پہ جوں شرر لکھئے گر اُس کو حال دلِ بے قرار کا
بے اختیاری آگئی دیکھ اس کو ناصحا مقدور اب رہا ہی نہیں اختیار کا
مخمور اس کو اس نگہِ مست نے کیا ہے سر کے ساتھ دردِ سر اب اس خمار کا
کرتا ہے معصیت میں تو ایامِ عمر صرف
بیدار کچھ بھی خوف ہے روزِ شمار کا

جووہ بہارِ ریاضِ خوبی چمن میں آکر [۲] خرام کرتا
صنوبر و سرو ہر اک آکر ادب سے اُس کو سلام کرتا

[۱]—ٹکڑے اس آگ سے ہے جگر کوہسار کا۔
[۲]—آتا۔

فگارِ تیغِ تبسم اب تک کریں ہیں نالہ برنگِ بلبل
قیامت اے گل عجب ہی ہوتی تو گر کسی سے کلام کرتا
جو پاتا لذت بسانِ مستاں مے محبت سے تیری زاہد
نکل حرم سے وہ میکدہ میں مقام اپنا مدام کرتا
جو وہ پریرو تجھے دکھاتا جمال اپنا تو وہیں ناصح
ہمارے مانند چھوڑ گھر کو گلی میں اُس کی مقام کرتا
خیال اُسکے سے اتنی فرصت کہاں کہ فکرِ سخن کروں میں
وگرنہ بیدار اس غزل کو قصیدہ ہی کہہ تمام کرتا

تونے جو مدتوں میں ادھر کو گذر کیا نالہ نے کچھ تو آج ہمارے اثر کیا
اس کھیل سے کہہ اپنی مژہ سے کہ باز آئے عالم کو نیزہ بازی سے زیر و زبر کیا
دیوانے کو پری سے پھر اب کردیا دوچار اے انکھڑوں کیا کیا مرے دل کا ضرر کیا
غیرت نہ آئی تجھ کو ستمگر ہزار حیف جس دل میں تو مقیم تھا واں غم نے گھر کیا
ہم غافلوں کی آہ نہ اُودھر نظر گئی اُن نے ہزار اپنے تئیں جلوہ گر کیا
پھر ہم بھی کچھ کہیں گے نہ کھلوائیے زباں بس چپ رہو کہ ہم نے بہت درگزر کیا
کیدھر ہے تو کہاں ہے اجابت کہ بارہا میں نے بلند دست دعا ہر سحر کیا
بیدار ایسے رونے سے آماں باز آ '
داماں و آستیں کو تو لوہو سے تر کیا

تھا جو کچھ ہونا سو اے دل ہو گیا پھر بھلا کہہ کس پہ مائل ہوگیا
شمع سے روشن ہوا یہ نکتہ رات سر سے جو گذرا سو کامل ہو گیا
مجھ میں اور اُس میں نہ تھا ہرگز حجاب پردۂ ہستی ہی حائل ہو گیا
گرچہ ہوں بے قدر میں پر خونِ دل جوہرِ شمشیرِ قاتل ہو گیا
اُس بتِ خنجر نگہہ کو دیکھ کر ایک عالم نیم بسمل ہو گیا
اشک کے مانند راہِ عشق میں رکھتے ہی پا قطعِ منزل ہو گیا
کیا کیا بیدار تو نے ہے غضب
ایسے ظالم کے مقابل ہو گیا

کل تری یاد میں آنسو ہی نہ کچھ گلگوں تھا
ہر مژہ پر مری لختِ جگرِ پر خوں تھا
مصرعۂ قد کا ترے مصرعۂ ثانی نہ ہوا
سرو ہرچند کہ برجستہ و خوش موزوں تھا
سرمۂ سحر عبث نرگس جادو میں دیا
دیکھنا اک ہی نظر بھر کے ترا افسوں تھا
پاسِ ناموس حیا تھا کہ نہ روئے ہیہات [۱]
ورنہ آنکھوں میں ہماری بھی بھرا جیحوں تھا
کچھ تجھے بھی ہے خبر حال سے اوس کے ظالم؟
رات بیدار ترے غم میں بہت محزوں تھا

پاس میرے وہ دل آرام گر آج آوے گا
تو قرار اس دل بیتاب کو آجاوے گا
نہیں مقدور کہ میں دل کو چھڑاؤں اوس سے
چھپ رہوں کب تئیں ناصح مجھے سمجھاوے گا
بھول جاوے گی تجھے کوہکنی اے فرہاد
جاں کنی اپنی اگر دل مرا دکھلاوے گا
اے ہلال ابرو و مہ پیکر و خورشید جبیں
پاس آ کب تئیں یوں دور سے ترساوے گا
کہہ دیا میں تجھے بیدار اب آگے تو جان
دل کسی سے جو لگاوے گا تو پچھتاوے گا

مست ہمکو شراب میں رکھنا   کچھ تو اس سیر آب میں رکھنا
بے حجابانہ ملئے غیروں سے   وائے ہم سے حجاب میں رکھنا
یہی تو کچھ نہیں کہ ہر لحظہ   یوں ہی یوں ہی عتاب میں رکھنا
دل کو سودائے زلفِ جاناں میں   یوں ہی پیچ و تاب میں رکھنا
شکوہ کیا کیجیے اپنی غفلت کا
نام بیدار خواب میں رکھنا

---

[۱]— اے ابر۔

دامن کو ناصحوں سے چھڑایا نہ جائے گا — تا ایک بار تجھ کو دکھایا نہ جائے گا
دل خانۂ خدا ہے نہ توڑ اس کو اے صنم — ٹوٹا تو پھر کسی سے بنایا نہ جائے گا
ہے وہ جنوں دریدہ گریباں مرا جسے — چوں چاکِ جیبِ صبح سلایا نہ جائے گا
ناز و ادا و غمزہ و عشوہ ہیں مفت بر — ان ظالموں سے دل کو بچایا نہ جائے گا
جز بوے یار دل کی نہ ہوگی شگفتگی — تجھ سے صبا یہ غنچہ کھلایا نہ جائے گا
بلبل ہزار رنگ سے گو ہے سخن سرا — پر تجھ سے گفتگو میں برایا نہ جائے گا
ہوگی نہ بزمِ عشق میں روشن دلی حصول — تا سر برنگِ شمع کٹایا نہ جائے گا
کھینچے ہے مجھ کو دیکھ عبث منہ پہ تو نقاب — مکھڑا یہ چاند سا تو چھپایا نہ جائے گا
وابستہ زندگی ہے مری تیری یاد سے — تجھ کو تو ایک دم بھی بھلایا نہ جائے گا
جوں شمع داغِ عشق ترا جی کے ساتھ ہے — یہ نقش لوحِ دل سے مٹایا نہ جائے گا
بیدار یادِ حق میں تو رہ یاں کہ بعدِ مرگ
سووے گا اس طرح کہ جگایا نہ جائے گا

ہم نشیں پوچھ نہ باعث تو مری زاری کا — یہ ثمر مجھ کو ملا دل کی گرفتاری کا
شکوہ کرنا ہے غلط اس کی جفا کاری کا — ہے فرض جرم یہ اپنی ہی وفاداری کا
گر قدم رنجہ کرے پھر عیادت تو ادھر — شکر سو جی سے بجا لائے بیماری کا
سرو موزوں تو ہے پر یہ قد و قامت معلوم — قطع تجھ پر ہی ہوا جامہ طرح داری کا
چاہتا ہوں میں تجھے اس پہ جو چاہو سو کہو — ہوں مقر آپ میں اس اپنی گنہگاری کا
جو کوئی یاں ہے سو تیری ہی کہے ہے ظالم — کون کہتا ہے سخن میری طرف داری کا
ایک عالم کا ہے دل ہاتھ سے تیرے نالاں — چھوڑ اے شوخ تو یہ طور دل آزاری کا
خواب میں دیکھے اگر تجھ کو زلیخا اک بار — نام پھر لیوے نہ یوسف کی خریداری کا
یوں ہی بہتر ہے کہ اس جنس کو دیجے آتش — شوق گر تجھ کو نہ ہو دل کی طلب گاری کا
اٹھ کھڑے ہوتے ہو بات میں لے تیغ و سپر — ان دنوں عزم ہے کچھ تم کو نمو داری کا
خوابِ غفلت سے جگا دل کو تو اپنے بیدار
کچھ بھی حاصل ہے بھلا چشم کی بیداری کا

اشک سے سوزِ غمِ عشق بجھایا نہ گیا — شعلہ اس آگ کا پانی سے بجھایا نہ گیا
آہ کیا جانے ہوئی مجھ سے وہ کیا بات کہ رات — ایسا روٹھا کہ کسی طور منایا نہ گیا
یک قلم خامہ جلا آگ لگی کاغذ کو — حالِ سوزِ دلِ بیتاب لکھایا نہ گیا

شعلہ افروز ہوا داغِ جگر سینہ سے — حیف یہ راز محبت کا چھپایا نہ گیا
تھا جو کچھ علم و ہنر عشق میں سب بھول گیا — اک خیال اس کا مرے جی سے بھلایا نہ گیا
حرز و تعویذ و فسوں کرکے تھکے سب لیکن — اس پری شکل کا سر سے مرے سایا نہ گیا
جو گرا آکے ترے کوچہ میں حیرت‌زدہ ہو — نقشِ پا کی طرح پھر اس کو اٹھایا نہ گیا
زلف سے چشم و زنخداں تئیں سب دیکھ آئے — دلِ گم گشتہ ہمارا کہیں پایا نہ گیا
صرف ناصح نے کیا آبِ نصیحت ہرچند — نقش اس رو کا مرے دل سے مٹایا نہ گیا
کیا ہی وہ روئے درخشندہ ہے سبحان اللہ — شمع کی طرح کہ برقع میں چھپایا نہ گیا
ختم صنعت گریِ صانعِ قدرت ہوئی یاں — کہ کوئی اور پھر ایسا تو بنایا نہ گیا

عمر غفلت ہی میں بیدار کٹی یاں افسوس
دل کو اس خواب سے یک دم بھی جگایا نہ گیا

بھرا نہ مثلِ نگیں زخم یہ مرے دل کا — کہ تا ہمیشہ رہے نام میرے قاتل کا
دلِ فگار مرا خاک و خوں میں تڑپے ہے — تو آکے دیکھ تماشہ یہ [۱] اپنے بسمل کا
یہ وہ ہے روئے درخشاں کہ جس کے سامنے رات — پتنگ ہوکے جلا نور شمعِ محفل کا
ترے جمال کو حیراں ہوں کس سے دوں تشبیہ — کہ دوسرا نہیں کوئی ترے مقابل کا

جو راہِ عشق میں کھووے تو آپ کو بیدار
تو آوے دید میں تیری نشان منزل کا

آہ کیا جانیے کہاں وہ بتِ خود کام رہا — کہ مجھے رات کو یک دم بھی نہ آرام رہا
ہوگئے دور میں اس چشم کے میخانے خراب — نہ کہیں شیشۂ صہبا نہ کہیں جام رہا
کردیا تجھ نگہِ مست نے بے‌خود سب کو — شوق مے کس کو اب اے ساقیِ گل‌فام رہا
آج ہنس ہنس کے وہ کرتا ہے سخن حیراں ہوں — جس سے یک عمر ہی میں طالبِ دشنام رہا

سمجھے اس رمز کو اربابِ معانی بیدار
صنعتِ حق سے جو یہ خلق میں ایہام رہا

جس چشم کو نہ ہو ترا دیدار دیکھنا — پھر اس کو کیا جہاں میں ہے اے یار دیکھنا
جیوے گا یا مرے گا اس آزارِ عشق سے — اے قرعہ زن بھلا دلِ بیمار دیکھنا
دیدارِ یار تو نہ ہوا یاں نصیبِ چشم — قسمت میں تھا یہ گریۂ خوں‌بار دیکھنا

---

[۱]—تک۔

اے شمع غیرِ یار کسی انجمن میں تو   کیجو نہ سوزِ دل مرا اظہار دیکھنا
کہنے لگا وہ سن کے مرا شورش و فغاں   ہے کون نعرہ زن پسِ دیوار دیکھنا
کیفیتِ بہار ہے تجھ سے جو تو نہ ہو   بھاتا ہے پھر کسے گل و گلزار دیکھنا
اے شانہ کھولیو گرۂ زلف سوچ کر   دل سیکڑوں ہیں اس میں گرفتار دیکھنا
اُفتادہ خارِ غم ہیں رہِ عشق میں تمام
رکھنا قدم سنبھال کے بیدار دیکھنا

اس گل کا چمن میں کل مذکورِ دہن آیا   غنچہ کا ہوا دل خوں پستہ پہ سخن آیا
ہمسر نہ ہوا کوئی اُس قامتِ موزوں سے   ہر سرو گلستاں میں سو طرح سے بن آیا
ہوں چشم کو دیکھ اس کے آپ آکے شکار آہو   جس وقت کہ صحرا میں وہ صید فگن آیا
رنگ اُڑ گیا منھہ پر سے ہر گل کا ہوائی ہو   جب سیر کو گلشن میں وہ رشکِ چمن آیا
اپنا تو ہوا تیرے وعدوں میں ہی کام آخر   کیا فائدہ جو تو اب اے وعدہ شکن آیا
مہتاب صباحت دیکھ اس روئے درخشاں کی   ہو مثلِ کتاں ٹکڑے نسرین و سمن آیا
بیدار میں کہتا تھا اس گل سے نہ مل آخر
کھا داغ کئی دل میں لالہ کے نمن آیا

تنہا نہ دل ہی لشکرِ غم دیکھ ٹل گیا   اس معرکے میں پائے تحمل میں چل گیا
اُس شمع رو سے قصد نہ ملنے کا تھا ہمیں   پر دیکھتے ہی موم صفت دل پگھل گیا
ہیں گرمِ گفتگو گل و بلبل چمن کے بیچ   ہوگا خلل صبا جو کوئی بات ہل گیا
منعم تو یاں خیالِ عمارت میں کھو نہ عمر   لے کون اپنے ساتھ یہ قصر و محل گیا
لاگی نہ غیرِ یاس حنائے اُمید ہاتھ   دنیا سے جو گیا کفِ افسوس مل گیا
اُس راہ رو نے دم میں کیا طے رہِ عدم   ہستی کے سنگ سے جو شرر سا اُچھل گیا
دیکھا ہر ایک ذرہ میں اُس آفتاب کو   جس چشم سے کہ کج نظری کا خلل گیا
گذری شبِ شباب ہوا روزِ شیب اخیر   کچھ بھی خبر ہے قافلہ آگے نکل گیا
قابل مقام کے نہیں بیدار یہ سرائے
منزل ہے دور خواب سے اُٹھ دن تو ڈھل گیا

جانوں میں نہ جب کہ نام اُس کا
پوچھوں گیا کہہ مقام اُس کا

ہے دل کو تپش کچھ اور ہی آج
لاتا ہے کوئی پیام اُس کا

نامہ کا تو کیا جگہ کہ قاصد
لایا بھی نہ یاں سلام اُس کا

مت لیجیو دل تو چاہ کا نام
قتلِ عاشق ہے کام اُس کا

ہوجائے گا پائمال بیدار
دیکھے گا اگر خرام اُس کا

تو نے اے جادو نظر کیا کر دیا
منھ دکھا عالم کو شیدا کر دیا

گھر سے اُس قامت قیامت نے نکل
محشرِ صد فتنہ برپا کر دیا

یاد میں لیلیٰ کی چشمِ قیس نے
دامنِ صحرا کو دریا کر دیا

مجھکو دیکھ آئینہ بھی کھاتاہے رشک
تیرے ایک جلوہ نے ایسا کردیا

شمع‌ساں رو رو کے تجھ بن بزم میں
رازِ دل آنکھوں نے افشا کر دیا

تھی ہمیں بھی عزت اہلِ دھر میں
چاہ نے پر دل کی رسوا کر دیا

ہے تلاشِ دل عبث بیدار اب
کس نے پھر ایسا گہر پاکر دیا ؟

نپٹ دل ہے مشتاق اے یار تیرا
کہ دیکھے نظر بھر کے دیدار تیرا

تو مختار ہے کر جفا یا وفا اب
غرض ہوچکا میں خریدار تیرا

تری چشم کا سخت بیمار ہوں میں
اگرچہ ہے ہر ایک بیمار تیرا

خجالت سے ہو رنگِ گل زعفرانی
چمن میں اگردیکھے رخسار تیرا

کسی پر تو ہے اندنوں میں تو عاشق
جو ایسا ہے احوال بیدار تیرا

خط تیرے رو پہ نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
شب میں خورشید درخشاں نہ ہوا تھا سو ہوا

اے گل اندام تو مہماں نہ ہوا تھا سو ہوا
گھر مرا رشکِ گلستاں نہ ہوا تھا سو ہوا

اس کے مکتب میں جو آتا ہے سو ہوتا ہے مست
میکدہ دیکھو دبستاں نہ ہوا تھا سو ہوا [۱]

---

[۱]—رشکِ میخانہ دبستاں نہ ہوا تھا سو ہوا -

ایک بھی تار نہیں تاسرِ داماں باقی [۱]
یوں کبھی چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

سیل اشکوں نے دیا خانۂ مردم کو بہا
چشمِ خوں بار سے طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا

نظر آتی نہیں ہے صورتِ جاناں دل میں
عکس آئینہ میں پنہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

فیض سے دیدۂ گریاں کے جدائی بیدار
اب تلک پنجۂ مژگاں نہ ہوا تھا سو ہوا

گر کہیں اُس کو جلوہ گر دیکھا
نہ گیا ہم سے آنکھ بھر دیکھا

نالہ ہر چند ہم نے کر دیکھا
آہ ' اب تک نہ کچھ اثر دیکھا

آج کیا جی میں آگیا تیرے
متبسم ہو جو ادھر دیکھا

آئینہ کو تو منھ دکھاتے ہو
کیا ہوا ہم نے بھی اگر دیکھا

دل ربا اور بھی ہیں پر ظالم
کوئی تجھ سا نہ مفت بر دیکھا

اور بھی سنگ دل ہوا وہ شوخ
تیرا اے آہ بس اثر دیکھا

منت و عاجزی و زاری آہ
تیرے آگے ہزار کر دیکھا

تو بھی تو نے نہ اے مہِ بے مہر
نظرِ رحم سے ادھر دیکھا

سچ ہے بیدار وہ ہے آفتِ جان
ہم نے بھی قصہ مختصر دیکھا

جو کچھ کہ تھا وظایف و اوراد رہ گیا
تیرا ہی ایک نام مجھے یاد رہ گیا

ظالم تری نگہ نے کئے گھر کے گھر خراب
ہوگا کوئی مکان کہ وہ آباد رہ گیا

جاتے ہیں ہم صفیر چمن کو پیر اب کے میں
یاں کشتۂ تغافل صیاد رہ گیا

جوں ہی دو چار آکے ہوا وہ نظر فریب
لے کر قلم کو ہاتھ میں بہزاد رہ گیا

اُس سرِ و گل عذار کی طرزِ خرام دیکھ
خجلت سے گڑ زمیں میں شمشاد رہ گیا

کس کس کا دل نہ شاد کیا تونے اے فلک
اک میں ہی غمزدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا

بیدار راہِ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا

---

[۱]— ثابت -

اہلِ کمال سے جو ہوا کام رہ گیا
تا حشر یادگارِ جہاں نام رہ گیا
دل چھوڑ رخ کو زلف کا ہو رام رہ گیا
جا سوئے روم سے طرفِ شام رہ گیا
دیکھ اُس دہان وچشم کو سرپھوڑ رشک سے
پستہ کہیں رہا کہیں بادام رہ گیا
دل خوں بہ رنگِ لالہ ہوا انتظار میں
آتے ہی آتے ساقیِ گل فام رہ گیا
کمھلائے گل کا حال نظر کر فسردہ ہو
جو پھول یاں سحر کو کھلا شام رہ گیا
جب سے کہ دردِ عشق ہوا دل میں آ مقیم
کیا جانے یاں سے جا کدھر آرام رہ گیا
دیتے تھے آپ بھی مجھے قلیاں پر اب نہیں
کیوں کس سبب یہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا؟
محرابِ ابروے بتِ کافر ادا کو دیکھ
کعبہ کا شیخ باندھ کے احرام رہ گیا
صیادِ مستِ ناز نے آکر خبر نہ لی
آخر تڑپ تڑپ میں تہِ دام رہ گیا
آگاہ ہو پہونچتی ہے صبحِ اجل قریب
خورشیدِ عمر آ تو سرِ بام رہ گیا
بیدار ہے اُمیدِ اقامت عبث کہ یاں
نے خاص ہی رہا نہ کوئی عام رہ گیا

بھرا ہے وہ مری چشمِ پُرآب میں دریا
کہ ایک قطرہ ہے جس کا سحاب میں دریا
پڑا ہے اُس مہِ خورشید تاب کا پر تو
کہ مثلِ آئینہ ہے آب و تاب میں دریا
نہ ہو اسیرِ کمندِ فریبِ صورتِ شیخ
دکھائی دیوے ہے موجِ سراب میں دریا
رکھوں ہوں دیدۂ تر وہ کہ مثل کشتی کے
رہے ہے جس کے ہمیشہ رکاب میں دریا
شمار اشک کی موجوں کا گر کروں تو پھر
بھی میں عشق کی ہے کس حساب میں دریا
ہر ایک ذرہ میں یوں جلوہ گر ہے وہ خورشید
کہ جس طرح سے ہے[۱] موج و حباب میں دریا
تری ہے زلف وہ ناگن کہ جس کے عکس سے ہے
بہ رنگِ مارِ سیہ پیچ و تاب میں دریا

---

[۱]—ہو

گر آستیں کو اُٹھاؤں تو ووھیں مثلِ حباب
بہا پھرے مری چشموں کے آب میں دریا

نہا گیا عرق آلودہ کیا مگر وہ گل
کہ سر بہ سر ہے معطر گلاب میں دریا

شراب و ساقیِ مہ رو جو ساتھ ہوں بیدار
تو خوشنما ہے شبِ ماهتاب میں دریا

طلب میں تیری تنہاھی نہ پائے جستجو ٹوٹا
کہ نایابی سے تیری تار تارِ آرزو ٹوٹا

کیا ہنگامۂ گل نے مرا جوشِ جنوں تازہ
اُدھر آئی بہار ایدھر گریباں کا رفو ٹوٹا

مجھے تجھ حسنِ عالم سوزکی کس طرح تاب آوے
کہ آئینہ مقابل ہو ترے اے شمع رو ٹوٹا

سمجھ کر کھول زلفِ یار کے عقدوں کو اے شانہ
تجھے چھروں گا آرے سے جو اس کا ایک مو ٹوٹا

بھرے بیدار کی آنکھوں سے ساقی اشک لال ایسے
مے گل گوں کا کوچہ میں ترے گویا سبو ٹوٹا

اُس ستم گر سے جو ملا ہو گا
اُس نے کیا کیا ستم سہا ہو گا[۱]

عشق میں تیرے ہم جو کچھ دیکھا
نہ کسی نے کبھی سنا ہو گا

آہ قاصد تو اب تلک نہ پھرا
دل دھڑکتا ہے کیا ہوا ہو گا

توهی آنکھوں میں توهی ہے دل میں
کون یاں اور تجھ سوا ہو گا

اے صبا گل تو کھل چکے پہ کبھو
غنچۂ دل مرا بھی وا ہو گا

دیکھ تو فال میں کہ وہ مجھ سے
نہ ملے گا، ملے گا، کیا ہوگا؟

ہے یقیں مجھکو تجھ ستم گر سے
دل کسی کا اگر لگا ہو گا

نالہ و آہ کرتے ہی کرتے
ایک دن یوں ہی مرگیا ہو گا

کوئی ہو گا کہ دیکھ اُسے بیدار
دل و دیں لیکے بچ رہا ہو گا

---

[۱]—جان سے ہاتھ دھو چکا ہو گا۔

غمِ جگر شکن و دردِ جاں ستاں دیکھا
تمھارے عشق میں کیا کیا نہ مہرباں دیکھا

ہر ایک مجلسِ خوباں میں دل ستاں دیکھا
نہ کوئی تجھ سا پر اے آفتِ جہاں دیکھا

میں وہ اسیر ہوں جن نے کہ داغِ یاس سوا
نہ سیرِ لالہ ستاں کی نہ گل ستاں دیکھا

جس آنکھ میں نہ سمائی تھی بوند آنسو کی
اب اُس نے غم میں ترے سیلِ خوں رواں دیکھا

نہ کوہ کن نے وہ دیکھا کبھی نہ مجنوں نے
تمھارے عشق میں جو ہم نے اے بتاں دیکھا

ہزار گرچہ ہیں بیمار تیری آنکھوں کے
پر اُن میں کوئی بھلا مجھ سا ناتواں دیکھا

میں وہ مریض ہوں پیارے کہ جن نے مدت سے
سوائے درد نہ آرام یک زماں دیکھا

ق
کیا سوال میں بیدار سے کہ اے مہجور
کبھی بھی تونے بھلا وصلِ دل ستاں دیکھا ؟

مفارقت ہی میں کیا عمر کھوئی میری طرح ؟
کہ عشق میں دل غمگیں نہ شادماں دیکھا !

یہ سن کے رونے لگا اور بعد رونے کے
کہا نہ پوچھو جو کچھ میں نے اے میاں دیکھا

فراقِ یار ' جفائے شماتتِ اعدا
غمِ دل و ستمِ پندِ ناصحاں دیکھا

نہ پائی ذرہ بھی اس اشکِ گرم کی تاثیر [۱]
نہ ایک دم اثرِ نالہ و فغاں دیکھا

جہاں میں وصل ہے سنتا ہوں مدتوں سے ولیک [۲]
سوائے نام نہ اُس کا کہیں نشاں دیکھا

---

[۱]—نہ پائی ذرہ بہ اس اشکِ گرم میں تاثیر -
[۲]—لیک -

ہم کلام اُس سے میں یکبار نہ ہونے پایا
تھا مرے جی میں سو اظہار نہ ہونے پایا
پھنس گیا پہلے ہی دل زلفوں[۱] میں تیری ظالم
زخمیِ غم زدہ خوں خوار نہ ہونے پایا
ہجر میں چشم نے رو رو کے بصارت کھوئی
آہ دیدارِ رخِ یار نہ ہونے پایا
تو نے اے شرم کیا پردہ نشیں طفلی سے
گرم اُس شوخ کا بازار نہ ہونے پایا
حیف پژمردہ ہوا غنچۂ دل کِھلتے ہی
زیبِ یک گوشۂ دستار نہ ہونے پایا
سیکڑوں قتل کئے ایک نگہ نے تیری
کوئی تجھ چشم کا بیمار نہ ہونے پایا
آشنا ہجر میں یک دم بھی ترے اے مہرو
خواب سے دیدۂ بیدار نہ ہونے پایا

دل سے پوچھا تو کہاں ہے تو کہا تجھ کو کیا
کس کی زلفوں میں نہاں ہے تو کہا تجھ کو کیا
لگا کہنے[۲] دلِ گم گشتہ ہے تیرا مجھ پاس
جب کہا میں نے کہاں ہے تو کہا تجھ کو کیا
جب کہا میں نے کہ اے سروِ ریاضِ خوبی
کس کا تو آفتِ جاں ہے تو کہا تجھ کو کیا
جب کہا میں نے نہیں بولتے بِن گالی تم
جان! یہ کون زباں ہے تو کہا تجھ کو کیا
چشمِ گریاں سے شبِ وصل میں پوچھا ہم نے
اب تو کیوں اشک فشاں ہے تو کہا تجھ کو کیا
جب کہا میں نے کہ اے شوخ تری صورت کا
شیفتہ پیر و جواں ہے تو کہا تجھ کو کیا

---

[۱]—زلف ۔
[۲]—کہنے لاگا ۔

دل سے بیدار نے پوچھا کہ ترے سینہ پر
کس کے ناوک، کا نشاں ہے ؟ تو کہا تجھ، کو کیا

کل وہ جو پئے شکار نکلا — ہر دل ہو امیدوار نکلا
ہم خاک بھی ہوگئے پر اب تک — جی [۱] سے نہ ترے غبار نکلا
غم خوار ہو کون اب ہمارا — جب توہی نہ غم گسار نکلا
تھے جس کی تلاش میں ہم اب تک — پاس اپنے ہی وہ نگار نکلا
بچنے کی نہیں امید ہم کو — تیر اُس کا جگر کے پار نکلا
ہرچند مژہ کی سرشک باری — پر دل سے نہ یہ بخار نکلا
جو [۲] بام پہ بے نقاب ہو کر — وہ ماہ رخ ایک بار نکلا
اُس روز مقابل اس کے خورشید — نکلا بھی تو شرم سار نکلا
بیدار ہے خیر تو کہ شب کو — جوں شمع تو اشک بار نکلا
گذرا ہے خیال کس کا جی میں ؟
ایسا جو تو بے قرار نکلا

عاشق نہ اگر وفا کرے گا — پھر اور کبھو تو کیا کرے گا
مت توڑیو دل صنم کسی کا — اللہ ترا بھلا کرے گا
ہے عالمِ خواب حالِ دنیا — دیکھے گا جو چشم وا کرے گا
جیتا نہ بچے گا کوئی ظالم — ایسی ہی جو تو ادا کرے گا
کل کے تو کئی پڑے ہیں زخمی — کیا جانئے آج کیا کرے گا
آجائے گا سامنے تو جس کے — دل کیا ہے کہ جی فدا کرے گا
کیا جانئے کیا کرے گا طوفاں — گر اشک یوں ہی بہا کرے گا
بیدار یہ بیت درد رو رو — فرقت میں تری پڑھا کرے گا
'' اپنی آنکھوں میں تجھکو دیکھوں[۳]
ایسا بھی کبھو خدا کرے گا ''

---

[۱]—دل ۔
[۲]—جب ۔
[۳]—اپنی آنکھوں اُسے میں دیکھوں ۔

قبول تھا کہ فلک مجھ پہ سوجفا کرتا پر ایک یہ کہ نہ تجھ سے مجھے جدا کرتا
کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا کرتا
سفید صفحۂ کاغذ کہیں نہ پھر رہتا اگر میں جور و جفا کو تری لکھا کرتا
حنا کی طرح اگر دسترس مجھے ہوتی تو کس خوشی سے ترے پاؤں میں لگا کرتا
غمِ فراق گر ایسا میں جانتا بیدار
تو اپنے دل کو کسی[۱] سے نہ آشنا کرتا

میکدہ میں جو ترے حسن کا مذکور ہوا سنگِ غیرت سے مرا شیشۂ دل چور ہوا
ایک تو آگے ہی تھا حسن پہ اپنے نازاں آئنہ دیکھ کے وہ اور بھی مغرور ہوا
صبح ہوتے ہی ہوا مجھ سے جدا وہ مہ رو روز گویا مرے حق میں شبِ دیجور ہوا
تیغ مت کھینچ کہ اک جنبشِ ابرو بس ہے گر مرا قتل ہی ظالم تجھے منظور ہوا
ہوش آنے کا نہیں تا دمِ محشر اس کو جو کوئی تجھ نگہِ مست کا مخمور ہوا
بیٹھ واں تاکہ نشاں کوئی نہ پاوے تیرا مثل عنقا کے اگر چاہے ہے[۲] مشہور ہوا
از پئے داغِ دلِ بادہ پرستاں بیدار
پنبۂ شیشۂ مے مرہمِ کافور ہوا

سبزۂ خط ترے عارض پہ نمودار ہوا
حیف اس آئنۂ صاف پہ زنگار ہوا
آج آتا ہے نظر دن مری آنکھوں میں سیاہ
رات تجھ زلف میں دل کس کا گرفتار ہوا
تجھ بن اے زہرہ جبیں رات مرے گوش کے بیچ
نغمۂ مطرب و نے نالۂ بیمار ہوا
غم جدا ' درد جدا ' نالہ جدا ' داغ جدا '
آہ کیا کیا نہ ترے عشق میں اے یار ہوا
کیوں کر اب سر کو نہ میں ظلِ ہما سے کھینچوں
کہ مرے سر پہ ترا سایۂ دیوار ہوا

---

[۱]—کسو -
[۲]—تو -

اُس کو کیا کہئے یہ ہے اپنے نصیبوں کا قصور
جتنا چاہا میں اُسے اُتنا ہی بیزار ہوا
آج اس راہ سے کون ایسا پریرو گزرا
کہ جسے دیکھتے ہی شیفتہ بیدار ہوا

اس نے یاں تک کبھو گزر نہ کیا ‏‏ تو نے اے آہ کچھ اثر نہ کیا
کیوں عبث تیوری بدلتے ہو ‏‏ میں تو نظارہ بھر نظر نہ کیا
یوں ہی یوں ہی عتاب فرما ہو ‏‏ نذر کب میں دل و جگر نہ کیا
یہ تمنا ہی رہ گئی جی میں ‏‏ نہ کیا یاد تو نے پر نہ کیا
خوں ہوا دل برنگ لالہ تمام ‏‏ پر کبھو نالہ ہم نے سر نہ کیا
رات تو ہو چکی پہ تو نے دل ‏‏ قصۂ زلف مختصر نہ کیا
خوف کس کا ہے اُس صنم کو پھر ‏‏ جب خدا کا ہی اس نے ڈر نہ کیا
آہ ظالم ترے تغافل نے ‏‏ کیا ستم ہے کہ جان پر نہ کیا
جور شیریں نے کوہ کن اُوپر ‏‏ گر کیا بھی تو اس قدر نہ کیا
حیف بیدار تیری آنکھوں میں
خواب نے ایک شب بھی گھر نہ کیا

رشک کھاتا ہے چمن دیکھ کے داماں میرا ‏‏ کم نہیں ابر سے کچھ دیدۂ گریاں میرا
فصل گل ہو چکی ایام جنوں کے گذرے ‏‏ چھوڑتا اب بھی نہیں دست گریباں میرا
سرو و گل پر نظرِ قمری و بلبل نہ پڑے ‏‏ آوے گر باغ میں وہ رشکِ گلستاں میرا
کھینچ کر زلف کی تصویر کو خط میں بھیجوں ‏‏ تاکہ معلوم کرے حالِ پریشاں میرا
طالع ایسے مرے بیدار کہاں ہیں جو آج
اس شبِ تار میں آوے مہِ تاباں میرا

جلوہ دکھا کے گذرا وہ نورِ دید گاں کا
تاریک کر گیا گھر حسرت کشید گاں کا
یہ مارِ زلف کالی [۱] جس کا بچے نہ کاٹا
اُترے ہے زہر کس سے افعی گزید گاں کا

---

[۱]—ہے وہ ۔

غم یار کا نہ بھولے سو باغ گر دکھاویں
کب دل چمن میں وا ہو ماتم رسیدہ گاں کا
رنگِ حنا پہ تہمت اُس لالہ رو نے باندھی
ہاتھوں میں مل کے آیا خوں دل طپیدہ گاں کا
اہلِ قبور اُوپر وہ شوخ گل جو گذرا
بیتاب ہو گیا دل خاک آرمیدہ گاں کا
سایہ سے اپنے وحشت کرتے ہیں مثلِ آہو
مشکل ہے ہاتھہ لگنا از خود رمیدہ گاں کا
یوں مہر سے ملا ہے وہ مستِ ناز بیدار
" نہ کر گیا مصلاً عزلت گزیدہ گاں کا "

مے و ساقی ہیں سب یکجا اہاہاہا اہاہاہا
عجب عالم ہے مستی کا اہاہاہا اہاہاہا
بہار آئی تڑانے پھر لگے زنجیر دیوانے
ہوا شورِ جنوں برپا اہاہاہا اہاہاہا
جن آنکھوں نے نہ دیکھا تھا کبھی اک اشک کا قطرہ
رواں ہے ان سے اب دریا اہاہاہا اہاہاہا
مرے گھر اس ہوا میں ساقی و مطرب اگر ہوتے
تو کیسی مے کشی کرتا اہاہاہا اہاہاہا
کیا بیدار سے عاشق کو تونے قتل اے ظالم
کوئی کرتا ہے کام ایسا اہاہاہا اہاہاہا

بارہا یار سے چاہا کہ ہوں اغیار جدا
لیکن اس گل سے نہ یک دم ہوئے وہ خار جدا
بیکسی پر مری کس طرح نہ روویں مردم
ایک دل تھا سو ہوا اُس کو بھی لے یار جدا
یاد کرتے ہیں تجھے دیر و حرم میں شب و روز
اہلِ تسبیح جدا صاحبِ زنار جدا
تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار
گل جدا ، سرو جدا ، نرگسِ بیمار جدا
دور کرنا ہے عبث سبزۂ خط عارض سے
آئنہ سے نہیں ممکن کہ ہو زنگار جدا
تجھ بن اے یار جفا کار عجب حالت ہے
دل جدا نالہ کناں چشم ہے خوں بار جدا
رات کو بزم میں بے روئے درخشاں تیرے
شمع گریاں تھی جدا دیدۂ بیدار جدا

صبح کو بے نور تجھ بن ہر چراغ لالہ تھا
جائے بانگِ گل چمن لبریز آہ و نالہ تھا
خط نہ تھا اُس عارضِ روشن پہ گویا جلوہ گر
گردِ رخسارِ مہ تاباں سوادِ ہالہ تھا
لعل پر منصوب جیسے ہو گہر اُس لطف سے
اُس لبِ رنگیں پہ جوشِ حسن سے بت خالہ تھا
مل گئی تھی اُس میں کل کس کے دلِ سوزاں کی خاک
گردِ بادِ دشت فرسا شعلۂ جوالہ تھا
ہو گیا کرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا بیدار یہ یا آگ کا پرکالہ تھا

عمر وعدوں ہی میں گنوائے گا آئے گا بھی یا نہ آئے گا
نہیں بچنے کا کوئی عالم میں گر اسی طرح سج بنائے گا
یہی قامت ہے گر یہی رفتار حشر برپا ہی کر دکھائے گا
حسن جاتا ہے خط کی آمد ہے ہاں ہمیں کیوں نہ اب منائے گا
مغتنم جانو ہم سے مخلص کو ڈھونڈھئے گا تو پھر نہ پائے گا
یہ نہ ہوگا کہ یاں سے اُٹھ جاویں ایسی سو باتیں گر سنائے گا
ایک دو کیا ہزار سے بھی ہم نہیں ڈرتے اگر بلائے گا
آج جو ہو سو ہو یہی ہے عزم تم کو ہر طرح لے کے جائے گا
جس نے بیدار دل لیا میرا
ایک دن تجھ کو بھی دکھائے گا

جو اب کے چھوڑے مجھے غم تری جدائی کا تمام عمر نہ لوں نام آشنائی کا
نہیں رہا ہے کسو کے اب اختیار میں دل کیا ہے قصد مگر تونے دل ربائی کا
اگے ہے پنجۂ مرجاں مزار سے اُس کے شہید ہو جو کوئی اُس کفِ حنائی کا
مرے قدم سے ہے سر سبز بوستانِ جنوں ہر ایک آبلہ گل ہے برہنہ پائی کا
جہاں ہو نقشِ قدم اُن کا دیکھیو بیدار
کہ واں نشان ہے میری بھی جبہ سائی کا

آپ میں دیکھ، اُسے میں رہ نہ سکا ایک بھی بات آہ کہہ نہ سکا
چشمِ بد دور کیا ہی مکھڑا ہے تاب لا جس کی مہر و مہ نہ سکا
عکس اُس کا پڑا جو دریا میں آب حیرت زدہ ہو بہ نہ سکا
آئنہ کس طرح سے ہوئے دو چار [ا] دیکھ، اُسے میں تو بھر نگہہ نہ سکا
چاہئے تھا جو کچھہ کہ یاں کرنا
حیف بیدار ہو تو وہ نہ سکا

نہ جامِ جم کا طالب ہوں نہ خسرو احتشامی کا
مجھے اے شاہِ خوباں فخر بس تیری غلامی کا
زبس اُس گل بدن میں ہے نزاکت تابِ گرمی سے
عرق میں بھیگ کر رنگیں ہوا جامہ دو دامی کا
رکھے جوں نیشکر انگشت حیرت منھہ میں ہر طوطی
کروں ذکر اُس شکر لب کی اگر شیریں کلامی کا
سر شک افشاں نہیں ہوتا کبابِ پختہ آتش پر
سبب گر یہ ہے سوزِ عشق میں عاشق کی خامی کا
نہیں دیکھی لٹک کی چال اُس شمشاد قامت کی
کہ دعویٰ تجھ، کو ہے اے کبک اپنی خوش خرامی کا
کیا درسِ کتب مدت سے یادِ چشمِ ساقی میں
مگر پڑھنے میں آتا ہے کبھو دیوان جامی کا
مری آنکھوں کا بالا خانہ گھر حاضر ہے آبیٹھے
اگر بیدار اُس کو شوق ہے عالی مقامی کا

نہیں کچھہ ابر ہی شاگرد میری اشکباری کا
سبق لیتی ہے مجھ سے برق بھی آ بیقراری کا
چمن میں ایسی ہی نغمہ سرائی کی کہ بلبل کو
سرپسر آرائے گلشن نے دیا خلعت ہزاری کا
سحابِ سرخ میں اس رنگ سے چمکی نہیں بجلی
جو ہے جھمکا ترے دامانِ رنگیں پر کناری کا

ا۔ آئنہ ہووے دو چار۔

ٹک اے بت اپنے مکھڑے سے اُٹھادے گوشۂ برقع
کہ ان مسجد نشیناں کو ہے دعویٰ دین داری کا
دکھاؤں گر ترے کوچہ میں اشک اپنے کی گل ریزی
طرق جاوے کلیجہ اشک سے ابرِ بہاری کا
کروں کیا تیرے بن دیکھے میں اک دم رہ نہیں سکتا
کہ ہوں مجبور میں اس امر میں بے اختیاری کا
نہ اب آرام ہے دل کو نہ خواب آنکھوں میں آتا ہے
ثمر بیدار مجھ کو یہ ملا اُس گل کی یاری کا

بے مروت ، بیوفا ، نا مہربان ، ناآشنا
جس کے یہ اوصاف کوئی اُس سے ہو کیا آشنا
واہ واہ اے دلبرِ کج فہم یوں ہی چاہئے
ہم سے ہو ناآشنا غیروں سے ہونا آشنا
بدمزاجی ناخوشی آزردگی کس واسطے
گر برے ہم ہیں تو ہوجے اور سے جا آشنا
نے ترحم نے کرم نے مہر ہے اے بے وفا
کس توقع پر بھلا ہو کوئی تیرا آشنا
یہ ستم یہ درد یہ غم یہ الم مجھ پر ہوا
کاش کے تجھ سے میں اے ظالم نہ ہوتا آشنا
دیکھ کر سایے کو اپنے رم کرے آہو کی طرح
وہ بتِ وحشی طبیعت ہوئے کس کا آشنا
آشنا کہنے کو یوں تو آپ کے ہوویں گے سو
پر کوئی اے مہرباں ایسا نہ ہوگا آشنا
خیرخواہ وفدوی ومخلص[۱] جو کچھ کہئے سو ہوں
عیب کیا ہے گر رہے خدمت میں مجھ سا آشنا
آشنائی کی توقع کس سے ہو بیدار پھر
ہو گیا بیگانہ جب دل سا ہی اپنا آشنا

۱ــ مخلص و فدوی -

آہ وہ ماہ نمایاں نہ ہوا — مطلبِ دیدۂ گریاں نہ ہوا
چاہئے اس کو ترا رو دیکھے — کبھی جو شخص کہ حیراں نہ ہوا
دیکھ کر تیری کمانِ ابرو — کون عاشق ہے کہ قرباں نہ ہوا
زلفِ شب رنگ کے سودے میں ترے — دل نہیں گر وہ [۱] پریشاں نہ ہوا
حیف اس باغِ جہاں میں بیدار
غنچۂ دل مرا خنداں نہ ہوا

گرچہ دل کش ہے دل رباں کی ادا — پر نکیلی ہے تیری بانکی ادا
کھب گئی جی میں اُس جواں کی ادا — بل بے تیکھی نگاہ' بانکی ادا
خار سی دل میں آ اٹکتی ہے — آہ' ہر آن گل رخاں کی ادا
دل و دین عقل و ہوش آ لوٹا — کیا ہی کافر ہے ان بتاں کی ادا
ایک عالم کو جان سے کھویا — تونے سیکھی ہے یہ کہاں کی ادا
خندۂ گل میں کب ہے اتنا لطف — جو ہے ہنسنے میں اس دہاں کی ادا
باتوں باتوں میں دل لیا بیدار
دیکھی اُس میرے دل ستاں کی ادا

ہوائے عشق سے سر سبز باغ ہے دل کا — خجل کنِ چمنِ لالہ داغ ہے دل کا
ترے جمال سے روشن چراغ ہے دل کا — مے نشاط سے لبریز ایاغ ہے دل کا
اسی تلاش میں بیدار تھا کئی دن سے
اب اُس کی زلف میں پایا سراغ ہے دل کا

اُس مہ جبیں کے سامنے کیا آے آفتاب
ہر چند فرقِ نور ہے سیمائے آفتاب
وہ روے شعلہ تاب ہے یہ جس کے سامنے
سوزاں ہو [۲] نورِ دیدۂ بیناے آفتاب
اُس آئنہ عذار نے حیراں کیا مجھے
پہونچے نہ جس کو روے مصفاے آفتاب

---

[۱]—وہ کہ ۔
[۲]—ہے ۔

تا سحر باغ حسنِ بتاں بھر نظر کرے
شبنم صفت ہو دیدہ سراپاے آفتاب
گل گوں قبا کے مہرے مقابل نہ ہوسکے
جامہ شفق کا پہن ہزار آے آفتاب
ہر چند روز و شب ہے سیاحت میں پر کبھو
دیکھے تجھے تو سحر سے رہ جاے آفتاب
مانندِ شمع آب ہو کرتے ہی یک نظر
تجھ شعلہ رو کی تاب کہاں لاے آفتاب
دیکھا ہے میں نے جلوہ گر اپنی بغل میں رات
بیدار خواب میں رخِ زیبائے آفتاب
اغلب ہے یہ کہ آوے مرے بر میں آج وہ
خیرہ ہو جس سے چشمِ تماشاے آفتاب

اُس شعلہ رو کی بزم میں گر آے آفتاب
خفاش دار منھ کو چھپا جاے آفتاب.
خورشید کی طرف نہ کریں منھ کو پھر کبھو
دیکھیں چمن میں تجھ کو جو گل ہاے آفتاب
کس کے نقاب اُٹھ گئی منھ پر سے یہ کہ آج
ہے زرد شرم سے رخِ زیباے آفتاب
اُس ماہتاب رو کا ہے جلوہ کچھ اور ہی
ہے غرقِ نور گرچہ سراپاے آفتاب
برقع اُٹھا کے منھ کو دکھا دے تو ایک دن
رہ جاے جی میں یہ نہ تمناے آفتاب
تشبیہ تیرے رو سے غلط ہے کہ دیجئے
یہ حسن و یہ جمال کہاں پاے آفتاب
تجھ آتشیں عذار کی کب تاب لاسکے
شبنم کی طرح دیکھ کے اُڑ جاے آفتاب
بیدار پیجے اس شبِ مہتاب میں شراب
ہے دستِ سرخِ یار میں مینائے آفتاب

کیوں نہ یاں رنگ و صفا میں ہوں علم آتش و آب
ہیں پرستش میں ترے رو کی صنم آتش و آب
چشمۂ چشم میں یوں رکھتے ہیں ہم آتش و آب
کانِ گوگرد میں ہے جیسے بہم آتش و آب
لا سکے تاب نہ ہم اُس کے لب و دنداں کی
کہتے ہیں کھا درو مرجاں کی قسم آتش و آب
دیکھ تیرا رخِ رنگین و قدِ خوش رفتار
ہم گل و سرو خجالت میں ہیں ہم آتش و آب
نہ تجھے دیکھے تو ہو سوز و گدازِ غم سے
شمع کی طرح سے سر تا بہ قدم آتش و آب
ہوگیا عکس سے خوباں کے چراغاں لبِ جو
جلوہ گر دیکھے ہیں اس لطف سے کم آتش و آب
دیکھ کر داغِ دل و دیدۂ تر کو میرے
اپنے مرکز کی طرح کر گئے رم آتش و آب
آہ اور اشک سے بیدار مقابل ہوں اگر
شعلہ و موج کی کر تیغ علم آتش و آب
جوں ہوا ٹھہریں نہ پھر معرکۂ ہستی میں
ایک حملہ ہی میں لیں راہِ عدم آتش و آب

لب میگوں میں ترے دیکھ بہم آتش و آب
ایک جا لعل صفت رہ گئے جم آتش و آب
ہے تو مختار جلا خواہ ڈوبا عاشق کو
غضب و لطف ہے تیرا ہی صنم آتش و آب
ثمرِ بخل و سخا واں ہے بہشت و دوزخ
حق میں زردار کے ہے دام و درم آتش و آب
داغِ جاں سوز بدل شعلہ بسر اشک بچشم
شمع پر کرتے ہیں کیا کیا نہ ستم آتش و آب
در و یاقوت بنیں قطرہ و اخگر ہو کر
تیری سمرن کے لئے ملکے بہم آتش و آب

اشک طوفانِ بلا برقِ جہاں سوز ہے آہ
جل بجھیں یاں جو رکھیں آکے قدم آتش و آب
شمع ساں عشق میں بیدار اب اس مہ رو کے
ہے گدازِ جگر و سوزشِ غم آتش و آب

لے چکے دل تو جنگ کیا ہے اب — آ ملو پھر درنگ کیا ہے اب
پی گئے خم کے خم ' نہ کی مستی — یاں شرابِ فرنگ کیا ہے اب
اُس نگہ کا ہے دل جراحت کش — زخم تیغِ خدنگ کیا ہے اب
ہوں میں دریائے عشق کا غواص — خوفِ کامِ نہنگ کیا ہے اب
دید وا دید تو ہوئی باہم — شرم اے شوخ و شنگ کیا ہے اب
دل سے وحشی کے تئیں[۱] شکار کیا — صید شیر و پلنگ کیا ہے اب
تھی جو رسوائی ہو چکی بیدار
پاسِ ناموس و ننگ کیا ہے اب

ہے نوریاب رخ سے ترے مہر و آفتاب
کیا ہو کہ تجھ جمال سے ہوں ہم بھی کامیاب
وقتِ سحر نہ کھینچیے اگر منہ پہ تو نقاب
مانندِ ماہ ابر نمایاں ہو آفتاب
جائے شرابِ اشک ہے موجود پیجئے
گر چاہئے گزک تو ہے حاضر جگر کباب
دیکھا تھا زلف کو تری گلشن میں ایک دن
سنبل ہنوز اشک سے کھاتا ہے پیچ و تاب
کیا جانے کس پری کی نظر ہو گئی اُسے
ہے آج میرے دل کو نہایت ہی اضطراب
امواجِ بحر آ نہ سکے ہیں شمار میں
کیا دوں سرشکِ چشم کا اپنے تجھے حساب
بیدار جب سے وہ بتِ آرامِ جاں گیا
تب سے نہیں ہے دیدہ و دل کو قرار و خواب

---

[۱]—کو میں

خط اُس عذار پہ دیکھا ہے ہم نے خواب میں رات
رہے چھپی ہی الٰہی اُس آفتاب میں رات
کہاں ہے نور ترے منھ کے سامنے دن کو
جہاں ہے زلف تری واں ہے کس حساب میں رات
ترے فراق میں اے رشکِ آفتاب مجھے
خدا ہی جانے کہ گذریگی کس عذاب میں رات
پھنسا ہے زلف میں تیری مگر کسو کا دل
کٹے ہے مجھ کو نہایت ہی پیچ و تاب میں رات
کسی کو تاب نہ آئی کہ بھر نظر دیکھے
اگرچہ تھا وہ مرا شمع رو نقاب میں رات
رہا حجاب میں ویسا ہی وہ بتِ محبوب
ہزار مست کیا اُس کو ہم شراب میں رات
نہیں توقعِ بیدار تا سحر ہم کو
رہا اگر وہ اسی طرح اضطراب میں رات

بیدار کروں کس سے میں اظہارِ محبت
بس دل ہے مرا محرمِ اسرارِ محبت
ہر بوالہوس اس جنس کا ہوتا ہے گا[۱] خواہاں
جاں باختہ گاں ہوئیں خریدارِ محبت
اے شیخ قدم رکھیو نہ اس راہ میں زنہار
ہے سبحہ شکن رشتۂ زنارِ محبت
کرتے ہیں عبث مجھ دلِ بیمار کا درماں
وابستہ مری جاں سے ہیں آزارِ محبت
بچ جاؤں اس آزار سے بیدار گر اب کی
ہوں گا نہ کبھی پھر میں گرفتارِ محبت

اے شمع دل افروزِ شبِ تارِ محبت
تجھ سے ہی یہ ہے گرمیِ بازارِ محبت

---

[۱] — نہیں -

ثابت قدم اس رہ میں جو ہیں شمع کے مانند
سر دیتے ہیں کرتے نہیں اظہارِ محبت
اے لالہ رخاں ان کے تئیں داغ نہ سمجھو
پھولے ہے مرے سینہ میں گلزارِ محبت
گو ہم سے چھپاتا ہے تو بیدار و لیکن
انکار ہی تیرا ہے یہ اقرارِ محبت
رہتا ہے مری جان کہیں عشق بھی مخفی
ظاہر ہیں تری شکل سے آثارِ محبت

دل سلامت اگر اپنا ہے تو دلدار بہت
ہے یہ وہ جنس کہ جس کے ہیں خریدار بہت
ایک میں ہی ترے کوچہ میں نہیں ہوں بیتاب
سر پٹکتے ہیں خبر لے پسِ دیوار بہت
دیکھئے کس کے لگے ہاتھ ترا گوہرِ وصل
اس تمنا میں تو پھرتے ہیں طلب گار بہت
کہیں نرگس کو مگر تونے دکھائیں آنکھیں
نہیں بچتی نظر آتی کہ ہے بیمار بہت
کیا کروں کس سے کہوں حال کدھر کو جاؤں
تنگ آیا ہوں ترے ہاتھ سے اے یار بہت
اپنے عاشق سے کیا پوچھو، تو کس نے یہ سلوک
اور بھی شہر میں ہیں تجھ سے طرح دار بہت
تیرے آگے تو کوئی پھول نہ ہوگا سر سبز
کیا ہوا باغ میں گو پھولے ہیں[۱] گلزار بہت
ایک دن تجھ کو دکھاؤں گا میں ان خوباں کو
دعوئِ یوسفی کرتے تو ہیں اظہار بہت
جرمِ بوسہ پہ جو بیدار کو مارا مارا
نہ کرو جانے دو اس بات پہ تکرار بہت

---

[۱]—ہے۔

دکھائے دستِ نگاریں سے تو اگر انگشت
تو ہوئے پنجۂ مرجان فدائے ہر انگشت
جو چاہتا ہے کہ ہوئے حنا سے رنگیں تر
تو میرے خوں میں ڈبولے تو سربہ‌سر انگشت

کہو تو کس سے میں پوچھوں نشانِ خانۂ دوست
کہ آشیانۂ عنقا ہے آستانۂ [۱] دوست
سنا تھا ایک شب ' آتی نہیں ہے نیند ہنوز
عدوے خواب تھا بیدار یا[۲] فسانۂ دوست

کم نہ ہووے گا فسوں اس کی ہے تدبیر عبث
کرتے ہیں میرے تئیں بستۂ زنجیر عبث
کر لیا طائرِ دل چشمِ فسوں ساز نے صید
دام سازی میں ہے اب زلفِ گرہ گیر عبث
حیرت آ جاویگی منہ دیکھتے ہی اے نقاش
تجھ‌کو اس شوخ کی ہے خواہشِ تصویر عبث
باندھے فتراک سے وہ صید فگن سو معلوم
اس توقع پہ تپاں ہے دلِ نخچیر عبث
مرگ سے خوف نہیں عاشقِ جاں باختہ ہوں
کھینچ‌کر مجھ کو ڈراتا ہے تو شمشیر عبث
دل میں اس کے نہ کیا آہ نے بیدار اثر
اس شجر سے ہے امیدِ برِ تاثیر عبث

نشۂ مے سے ہوئی ہے سرخیِ رو یاں تک آج
رنگِ گل اس نسترن رخسار کو دیتا ہے باج
چشم و عارض ہی نہیں لیتے گل و نرگس سے باج
زلف بھی لیتی ہے اس کی مشک و عنبر سے خراج

[۱]— آشیانۂ ۔
[۲]— کیا ۔

اینڈتے ہیں بیخوداں کوچہ بہ کوچہ مثلِ تاک
دور میں اُس چشم کے یاں تک ہے مستی کا رواج
تیرے آگے مہ رخاں سچ ہے کہاں رکھتے ہیں نور
روبرو خورشید کے کیا عزتِ شمع و سراج
یہ نزاکت یہ صفا یہ لطف ہے اس میں کہاں
ہے غلط گر دیجے ساعد کو تری تشبیہِ عاج
وہ کرم وہ لطف وہ شفقت نہیں باعث ہے کیا
ان دنوں کچھ اور ہی ہے آپ کا ہم سے مزاج
نے شفا لے موت نے طاقت شکیبائی کی ہے
کیا کروں بیدار اس بیماریِ دل کا علاج

چشمِ ساقی نے جھکایا سب کو میخانے میں آج
ہے بجائے مے عرقِ خجلت سے پیمانے میں آج
پھر سرِ نو سے بیاں کر اس کو تو اے قصہ خواں
بوئے درد آتی ہے مجھ کو تیرے افسانے میں آج
دیکھئے کیا ہو مرے دل پر کہ وہ ہے درمیاں
ہو رہی ہے جنگ باہم زلف اور شانے میں آج
پھونک دی یہ آگ کس کے حسنِ بزم افروز نے
اور ہی کچھ سوختن ہے شمع و پروانے میں آج
ہے در و دیوار سے بیدار روشن نورِ حسن
میہماں ہے کون بارے تیرے کاشانے میں آج

کھو دیا نورِ بصیرت تونے ما و من کے بیچ
جلوہ گر تھا ورنہ وہ خورشید تیرے من کے بیچ
بار پانے کا نہیں وحدت میں جب تک ہے دوئی
راہ یکتائی ہے رشتہ کے تئیں سوزن کے بیچ
صاف کر دل تاکہ ہو آئینۂ رخسارِ یار
مانعِ روشن دلی ہے زنگ اس آہن کے بیچ
ظاہر و پنہاں ہے ہر ذرہ میں وہ خورشید رو
آشکار و مختفی ہے جاں جیسے تن کے بیچ

دور ہو گر شامّہ سے تیرے غفلت کا زکام
تو اُسی کی بو کو پاوے ہر گل و سوسن کے بیچ
کوچہ گردی تا کجا جوں کاہ بادِ حرص سے
گاڑ کر پا بیٹھ مثلِ کوہ تو مسکن کے بیچ
کیوں عبث بھٹکا پھرے ہے جوں زلیخا شہر شہر
جلوۂ یوسف ہے غافل تیرے پیراہن کے بیچ
دب دماغ اپنا [۱] کہ کوئی جاکے گل گشتِ چمن
اور ہی گلزار اپنے دل کے ہے گلشن کے بیچ
مت مجھے تکلیفِ سیرِ باغ دے بیدار تو
گل سے رنگیں تر ہے یاں لختِ جگر دامن کے بیچ

گرچہ رکھتے ہیں بتاں اور بھی بیداد کی طرح
پر مرے جی میں کُھبی اُس ستم ایجاد کی طرح
حکمت العین ہے وہ چشمِ معانی ایجاد
حرف ہے اُن کے سخن پر جو کہیں صاد کی طرح
دیکھئے کون گذرتا ہے سر اپنے سے کہ آج
تیغ کھینچے ہوئے آتا ہے وہ جلاد کی طرح
گل تو کیا سنگ میں کرتے ہیں اثر یہ نالے
سیکھ لو مجھ سے تم اے بلبلو فریاد کی طرح
گر دکھاؤں تجھے اُس سروِ رواں کی سج کو
بھول جاوے گی تو اے فاختہ شمشاد کی طرح
سامنے ہوتے ہی جاتی ہیں رگِ جاں سے گذر
کس سے مژگاں نے تری سیکھی یہ فساد کی طرح
نہیں سجادہ، پئے صیدِ خلایق زاہد
دام پھرتا ہے لئے دوش پہ صیاد کی طرح
قربِ مسجود جو ساجد کو نہیں سجدہ سے
سر پٹکتا ہے فقط ورنہ ہے زہاد کی طرح
سخت بے رحم ہے وہ خسروِ خوباں بیدار
جانِ شیریں کو نہ کھو مفت میں فرہاد کی طرح

---

[۱]—اتنا ۔

ہوتی ہے فصلِ گل میں جو مست بہار شاخ
کیا کھیلچٹی ہے دورِ خزاں میں خمار شاخ
گلدستۂ حدیقۂ جاں ہے تو یک قلم
ہر عضو پر فدا ہے ترے صد ہزار شاخ
عاشق کو ہے تحملِ جورِ رقیب فرض
کھینچے ہے بہرِ خاطرِ گل بارِ خار شاخ
جز عجز ہو نہ اہلِ کرم کو فرورِ مال
رکھتی ہے سر فرو بہ زمیں بار دار شاخ
سیرِ چمن کو تو جو گیا ہے نہالِ حسن
خجلت سے سرنگوں ہوئی بے اختیار شاخ
قد سرو چشم نرگس و رخسار لالہ زار
اُس گلبدن پہ کیوں نہ کرے گل نثار شاخ
بلبل کے فیضِ دیدۂ خوں بار سے تمام
بیدار پھر خزاں میں ہوئی لالہ زار شاخ

نہ دیا اُس کو یا دیا قاصد سچ بتا نامہ کیا کیا قاصد [۱]
نہ پھرا آہ کوئی لیکے جواب جو گیا واں سو گم ہوا قاصد
آج آوے گا یا نہ آوے گا میرے گھرمیں وہ دل‌ربا قاصد
دل کو ہے سخت انتظارِ جواب کچھ شتابی سے کہا کہا قاصد
کوچۂ یار میں مرے زنہار ق جائیو مت برہنہ پا قاصد
خارِ مژگانِ کشتگانِ وفا واں ہیں اُفتادہ جا بجا قاصد
نامۂ شوق کو مرے لے کر یار کے پاس جب گیا قاصد
مُہر کو خط کی دیکھ کہنے لگا کون بیدار ہے بتا قاصد
جس نے بھیجا ہے تیرے ہاتھ یہ خط
میں نہیں اُس سے آشنا قاصد

نالہ گو ہے خدنگ کے مانند پر وہ دل بھی ہے سنگ کے مانند
دسترس تھی ہمیں بھی اُس پا تک اے حنا تیرے رنگ کے مانند

[۱]—کیا کیا نامہ سچ بتا قاصد ۔

نہ چھٹا اُس کی زلف میں جو پھنسا — سچ ہے قیدِ فرنگ کے مانند
شوخیاں برق میں بھی ہیں یہ کہاں — اُس مرے شوخ و شنگ کے مانند
آہ اُس شمع رو پہ ہو کے نثار — جل بجھا دل پتنگ کے مانند
رزم کیا ہوگی اُس ستم گر سے — صلح تو دیکھی جنگ کے مانند
آ لگی دل میں ناگہاں بیدار
نگہ اُس کی خدنگ کے مانند

نہ غمِ دل نہ فکرِ جاں ہے یاد — ایک تیری ہی ہر زماں ہے یاد
تھا جو کچھ وعدۂ وفا ہم سے — کچھ بھی تم کو وہ مہرباں ہے یاد ؟
اگلے ملنے کی طرح بھول گئے — کیا بتاؤں تمہیں کہاں ہے یاد
ہوں میں پابندِ الفتِ صیاد — کب مجھے باغ و بوستاں ہے یاد
محو تیرے ہی روئے و زلف کے ہیں — نہ ہمیں وہ نہ یہ جہاں ہے یاد
دیدہ و دل میں تو ہی بستا ہے — تجھ سوا کس کی اور یاں ہے یاد ؟
اور کچھ آرزو نہیں بیدار
ایک اس کی ہی جاوداں ہے یاد

حالِ جاں سوز کا میں اُس کو لکھوں گر کاغذ
شعلۂ آہ سے جل جائے ہے اکثر کاغذ
گر لکھوں اُس چمنِ حسن کا اوصافِ جمال
ورقِ گل کی طرح ہووے معطر کاغذ
نہ لکھا ایک بھی بھولے سے جواب اے قاصد
میں نے ہر چند لکھے اُس کو مکرر کاغذ
جس کو یاں تک ہو مرے حال سے بے پروائی
کس توقع پہ لکھوں کہہ تو میں دیگر کاغذ
حالتِ ہجر رقم کرتے ہی اُس نو خط کو
یک قلم اشک سے بیدار ہوا تر کاغذ

جو وہ خورشید طلعت شام کو ہو بام پر ظاہر
نہووے صبحِ محشر تک خجالت سے قمر ظاہر

بہت مدت سے جویا ہوں بتا مجھ کو سراغ اُس کا
شمیمِ زلفِ جاناں تجھ میں ہے بادِ سحر ظاہر

نہیں سرگرمِ افغاں پختہ کارِ سوزِ بے تابی
زغالِ خام سے ہوتا ہے مجمر میں شرر ظاہر

ہزاروں نالۂ جاں سوزِ دل برباد جاتے ہیں
کبھی اے آہ تیرا بھی کچھ ہوے گا اثر ظاہر [۱]

برابر روزِ محشر کے مجھے گذرے ہے ہر ساعت
خدا جانے شب ہجراں کا ہوگا کب سحر ظاہر

نہیں دیکھے ہیں لکھنے چشمِ تر ' اُس شمع خوباں سے
زبانی کیجو اے قاصد مرا سوزِ جگر ظاہر

نہ زر ہے ہاتھ میں نے زورِ بازو مجھ کو ہے آتا
بھلا کس طرح اے دل ہو وصالِ سیمبر ظاہر

فروغِ شمع جوں ہو پردۂ فانوس سے روشن
مرے سینہ سے یوں ہے آتشِ داغِ جگر ظاہر

زباں دُر بار ہے بیدار تیرے ابر نیساں سے
کئے تونے صدف میں سے دہن کے یہ گہر ظاہر

تجھ بن سرشکِ خوں کا ہے آنکھوں سے طغیاں اس قدر
برسا نہیں اب تک کہیں ابرِ بہاراں اس قدر

گلشن میں گر دیکھیں مجھے ہوں سنبل و نرگس خجل
دل ہے پریشاں اس قدر آنکھیں ہیں حیراں اس قدر

رکھتا ہے تو جس جا قدم ہوتا ہے لوہو کا نشاں
پامال کرتا ہے کوئی خونِ شہیداں اس قدر

ڈھونڈھے جو تو دامن تلک پاوے نہ ثابت تا اُسے
میں چاک پھرتا ہوں کئے ناصح گریباں اس قدر

بیدار کو دکھلا کے تونے قتل اوروں کو کیا
کرتا ہے اے ظالم کوئی ظلمِ نمایاں اس قدر

[۱]— کبھی اے آہ دیکھیں تیرا بھی ہووے گا اثر ظاہر۔

گیا ہے جب سے دکھا جلوہ وہ پری رخسار
نہ خواب دیدۂ گریاں کو ہے نہ دل کو قرار
ہزار رنگ سے پھولے چمن میں گو گل زار
پر اُس بغیر خوش آتی نہیں مجھے یہ بہار
برنگِ لالہ سرِ میکشی نہیں اُس بن
کہ خونِ دل سے میں ہر روز توڑتا ہوں خمار
گلوں کے منہ پہ نہ یہ رنگ و آب و تاب رہے
وہ رشکِ باغ کرے گر اُدھر کو آکے گذار
عجب نہیں کہ بہادیوے خانۂ مردم
رہے گر اشک فشاں یوں ہی دیدۂ خوں بار
کہاں میں اُس بتِ ابروکماں کے خدمت میں
خدنگِ ہجر نے تیرے کیا ہے مجھ کو نگار
نہ رحم تیرے دلِ سخت میں ہے غیر از ظلم
نہ میرے نالۂ جاں سوز میں اثر اے یار
نہ تابِ ہجر میں رکھتا ہوں نے اُمیدِ وصال
خدا ہی جانے کہ کیا ہوگا اس کا آخر کار
پر ایک دن، یہ مجھے سوجھتا ہے، جی تن سے
نکل ہی جاوے گا ہمراہ آہ آتش بار
نہ تو مزار پہ آوے گا تادم محشر
رہے گا دیدۂ گریاں کو حسرت دیدار
یہ سن کے کہنے لگا وہ ستم گر بے رحم
مری بلا سے جو مر جائیگا تو اے بیدار
عبث تو مجھ کو ڈراتا ہے اپنے مرنے سے
ہزار تجھ سے مرے مر گئے ہیں عاشق زار

اے رشکِ گل کرے ہے عبث جستجوئے عطر
یک شمہ تجھ شمیم بدن سے ہے بوئے عطر
وہ بو ہے تجھ میں جس کو نہ پہونچے ہے بوئے گل
بھیجا ہے پیرہن کو ترے آرزوئے عطر

یک قطرۂ عرق میں ترے ہے وہ بوئے خوش
پانی کہ جس کے رشک سے ہو صد سبوئے عطر
اے گل بدن جو اُس سے بغل گیر تو ہوا
بزم سمن براں میں ہوئی آبروئے عطر
ہو جس دماغ میں مرے گل پیرہن کی بو
بیدار اُس کو ہو نہ کبھی میل سوئے عطر

وجدِ اہلِ کمال ہے کچھ اور
شیخ صاحب کا حال ہے کچھ اور
ہوش جاتا ہے اہلِ ہوش کا سن
تیرے مستوں کا حال ہے کچھ اور
فخرِ انساں نہیں ملک ہونا
جی میں اپنے خیال ہے کچھ اور
جس کو کہتے ہیں وصل وصل نہیں
معنیِ اتصال ہے کچھ اور
غیرِ حرفِ نیاز سو بھی کبھو
کہہ سکوں ہوں مجال[۱] ہے کچھ اور
رخِ خورشید پر کہاں وہ نور
میرے مہ کا جمال ہے کچھ اور
سرو دعوائے ہمسری مت کر
وہ قدِ نونہال ہے کچھ اور
کبک تو خوش خرام ہے لیکن
یار کی میرے چال ہے کچھ اور
دیکھ چل تو بھی حالتِ بیدار
آج اُس کا تو حال ہے کچھ اور

حیف ہے ایسی زندگانی پر
کہ فدا ہو نہ یارِ جانی پر
تیری گل کاری ابر ہو برباد
چشم گر آئے گل فشانی پر
حال سن سن کے ہنس دیا میرا
کچھ تو آیا ہے مہربانی پر
خون کتنوں کے ہوگیا دل کا
تیری دستارِ ارغوانی پر
رات بیدار وہ مہِ تاباں
سن کے رویا مری کہانی پر

کیا ہی اب کی دھوم سے اے میکشاں آئی بہار
ساغرِ گل میں شرابِ ارغواں لائی بہار
گو کہ پھولے ہیں چمن میں پھول رنگا رنگ کے
تجھ بن اے گل پر ہمیں مطلق نہ واں بھائی بہار

---

[۱]۔ مجال۔

اشک نے میرے جو کی گل‌زار کوئے یار میں
باغ نے بیدار ایسی تو کہاں پائی بہار

روزی رساں خدا ہے فکرِ معاش مت کر
اس خار کا تو دل میں خوفِ خراش مت کر
ماضی جو تھا سو گذرا آیندہ دیکھ لیجو
جس حال میں ہے خوش رہ دیگر تلاش مت کر
جوں شمع حرفِ وحدت دلمیں ہی کر[۱] تہاں تو
یہ سر ہے دشمنِ سر بیدار فاش مت کر

خاک و خوں میں ہے تہاں عاشقِ غم‌ناک هنوز
تشنہ ہے تیغِ جفائے بتِ بیباک هنوز
سیکڑوں کشمکشِ زلف سے شانے ٹوٹے
نوبت آئی نہ تری اے دلِ صد چاک هنوز
آبلوں سے نہیں یک ذرہ کفِ پا خالی
خارِ صحرائے محبت میں ہوں چالاک هنوز
ایک دن آہ کناں غمزدہ گذرا تھا میں
دشت میں کب سے ہے سوزاں خس‌وخاشاک هنوز
رات کو شمع صفت بزم میں رویا تجھ بن
جیب و داماں ہے مرا اشک سے نمناک هنوز
تھک گئے هاتھ ترے سیتے هی سیتے ناصح
پر گریباں تو مرا ویسا هی ہے چاک هنوز
آج اے ظالمِ خوں خوار کیا کس کو شکار
سر بہ سر خوں میں جو تر ہے ترا فتراک هنوز
گور میں بھی نہ هوئی سرد تو یہ آتشِ عشق
مثلِ سیماب تڑپتا هوں تہِ خاک هنوز
اشک سے دیدۂ بیدار کے دھویا هر چند
گردِ کلفت سے رخِ دل نہ هوا پاک هنوز

---

[۱]—رکھہ -

ہے بعدِ مرگ گور میں شورِ جنوں ہنوز
میں کشمکش میں دست و گریباں کے ہوں ہنوز
دعویٰ کبھی کیا تھا تری چشمِ مست سے
نرگس چمن میں شرم سے ہے سر نگوں ہنوز
جس سے کہ رام ہو بتِ وحشی صفت مرا
آتا نہیں ہے ہاتھ مرے وہ فسوں ہنوز
ایسی وہ شکل کس کی تھی[۱] میں دیکھ کر جسے
یارب مثالِ آئنہ حیرت میں ہوں ہنوز
آیا تھا رات خواب میں وہ سروِ خوش خرام
بیدار چشم سے ہے رواں جوے خوں ہنوز

اس کو حنا کی دل میں نہ باقی رہے ہوس
اے خوں کفِ نگار پہ ایسا ہی جم کہ بس
اے جامہ زیب چھوڑوں نہ دامن ترا کبھو
دیوے اگر یہ چرخ مجھے اتنی دسترس
آنا اگر تجھے ہے تو آ اے مسیح دم
مثلِ حباب چشم میں باقی ہے یک نفس
مت جلد کر تو رخش کو اے نازنین سوار
لاکھوں ہی جان ہیں ترے زیرِ سمِ فرس
عشاق سے تو اے شکریں لب نہ تلخ ہو
ممکن نہیں کہ شاخِ عسل پر نہ ہو مگس
مرتا تو ہوں پہ اتنی تو دل میں ہے آرزو
یک بار دیکھ لوں رخِ جاں بخشِ یار و بس
بیدار خواب میں بھی نہ آیا کبھو وہ شاہ[۲]
اس آرزو میں مرتے ہی گذرے کئی برس

دل آتش و آہ آتش و ہر داغِ غم آتش
جوں سروِ چراغاں ہوں میں سر تا قدم آتش

---

[۱]—ایسی وہ اس کی شکل تھی ۔
[۲]—ماہ ۔

یہ چشمۂ دل معدنِ کو کرد ہے شاید
کرتی ہے جو یاں شعلہ زنی دم بدم آتش
رونے سے مرے سینے میں آگ اور بھی بھڑکی
کہتے ہیں غلط آب سے ہوتی ہے کم آتش
گر وہ بتِ گلنار قبا جلوہ نما ہو
دیں فرقۂ اسلام کو اہلِ حرم آتش
یک حرف لکھوں سوزِ دل اپنے سے گر اس کو
لگ اُٹھتی ہے کاغذ کے تئیں یک قلم آتش
جز اپنے کسو خس کو بھی سوزش نہ ہو ہم سے
جوں شعلۂ ہے گرچہ سراپا ہوں ہم آتش
کرنا حذر اے شعلہ رخاں آہ سے میری
یہ آگ وہ ہے جس سے کہ کرتی ہے رم آتش
کہتے ہیں کہ ہے عرشِ الٰہی دلِ مومن
اے وائے تو دیتا ہے اسے اے صنم آتش
بیدار یہ ہے ساحریِ گریۂ جاں سوز
یک دست میں جوں شمع ہے ہم آب و ہم آتش

طوبیٰ کی شاخ کاٹئے تو اے قلم تراش
تا لکھیے وصفِ قامتِ جاناں قلم تراش
کرتے ہیں دور سبزۂ بیگانہ باغ سے
اے گل تو اپنے چہرہ سے خط یک قلم تراش
ہر گل ہوا خراشِ دل اُس میں برنگ خار
کیا خوب سیرِ باغ ہوئی واہ غم تراش
گل سے مناسبت نہیں کچھ مور و مار کو
مکھڑے سے زلف و خط کو تو اپنے بہم تراش
گر چشمِ حق شناس سے دیکھیں نگاہ کر
یہ ہی صنم پرست ہیں یہ ہی صنم تراش
بے ڈول سا ہے اُس تنِ موزوں کے روبرو
اے باغباں تو سرو کو سر تا قدم تراش
تعریف اس کمر کی ہے بیدار بس محال
شاخِ خیال سے گلِ مضموں کو کم تراش

سبھوں سے یوں تو ہے دل آپ کا خوش
اگر پوچھو تو ہے ہم سے ہی ناخوش
خوشی تیری ہی ہے منظور ہم کو
بلا سے گر کوئی ناخوش ہو یا خوش
رواقِ چشم و قصرِ دل کیا سیر
نہ کی پر آپ نے یاں کوئی جا خوش

جفا کر یا وفا مختار ہے تو — مجھے یکساں ہے کیا ناخوش ہے کیا خوش
نہیں اُس میں تو غیر از جور لیکن — مجھے کیا جانے کیا آئی ادا خوش
کیا ہے گرچہ ناخوش تو نے ہم کو — رکھے پر اے بتاں تم کو خدا خوش
خوشی ہے سب کو روزِ عید کی یاں — ہوے ہیں مل کے باہم آشنا خوش
بھلا کچھ بھی مناسب ہے مری جاں — کہ ہو تو آج کے دن مجھ سے ناخوش
بتا ایسی کوئی تدبیر بیدار
کہ جس سے ہوے میرا دل ربا خوش

دیکھ اُسے شادی سے کرتا ہے دلِ دیوانہ رقص
شمع کے آگے کرے مجلس میں جوں پروانہ رقص
لغزشِ مستی نہ سمجھو اس کو تم اے میکشاں
دستِ ساقی پر کرے ہے ناز سے پیمانہ رقص
کھینچے ہے تصویر اے نقاش تو کس شوخ کی
ہے قلم کا صفحۂ کاغذ پہ معشوقانہ رقص
بندِ اکل و شرب سے آزاد جو ہوں اُن کے گرد
جوں گھر کرتا پھرے ہے دایم آب و دانہ رقص
گر ملے بیدار وہ مستِ شرابِ جامِ حسن
جائے کرتے ہوے شوخی سے تا میخانہ رقص

سبزۂ خط ہے ترا ابرِ بہارِ عارض — نہ سمجھ اُس کو تو اے یار غبارِ عارض
خالِ مشکیں و خطِ سبز سے اے جانِ بہار — ہوگیا اور ہی کچھ نقش و نگارِ عارض
دیکھ کر حلقۂ گیسو میں ترا دانۂ خال — مرغِ دل ہو ہی گیا آ کے شکارِ عارض
گرچہ روشن ہے مہ و مہر کہاں پر یہ نور — فخر اُن کا ہے کہ ہوں پھرے نثارِ عارض
مثلِ خورشید درخشاں ہے رخ اُن کا بیدار
تاب کس کو ہے کہ ہو اُس کے دوچارِ عارض

عبث کرتا ہے اُس سے اے دل اب عرض — گدا کی پادشہ سنتا ہے کب عرض
اٹھا ہے یاں تلک مجھ جامِ کم ظرف — کرے ہے اُس کے[1] جا تو لب بہ لب عرض

[1] — اُس سے۔

مودب ہو کے میں اُس شمع رو سے ق کیا سوزِ دل اپنا ایک شب عرض
لگا کہنے کہ اے بیدار سن تو یہی کہتا ہے تو کرتا ہے جب عرض
جلا دوں گا میں پروانے کی مانند
جو کی بارِ دگر اے بے ادب عرض

رکھتی ہے شانہ سے وہ زلفِ معنبر اختلاط
آرۂ غم سے نہ ہو مجھ دل کو کیوں کر اختلاط
چھوٹے اب اُس شعلہ خو کا مجھ سے کیونکر اختلاط
چھوڑ کب سکتا ہے آتش سے سمندر اختلاط
آخر اے دل تونے دیکھا کیا ستم تجھ پر ہوا
ہم نہ کہتے تھے کہ ظالم اس سے مت کر اختلاط
آتشِ حیرت[۱] پہ ہوجاتے ہیں لختِ دل کباب
اُس لبِ میگوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط
دل سے اپنے رہ خبردار اُس کی باتوں پر نہ بھول
بے سبب کرتا نہیں ہے وہ ستم گر اختلاط
مان کہنے کو مرے ورنہ بہت پچھتاوے گا
کس سبب ؟ دیکھے ہیں ہم نے ایسے اکثر اختلاط
نقدِ دل بیدار لے جاوے گا باتوں میں لگا
اُس سے بہتر ہے کہ جتنا ہووے کم تر اختلاط

جاتا ہے مرے گھر سے دل دار خدا حافظ
ہے زندگی اب مشکل بے یار خدا حافظ
بے طرح کچھ ایدھر کو وہ مستِ شرابِ حسن
کھینچے ہوے آتا ہے تلوار خدا حافظ
اے شیخ تو اُس بت کے کوچہ میں تو جاتا ہے
ہو جاوے نہ یہ سبحہ زنار خدا حافظ
ڈرتا ہوں کہ دل ہردم ملتا ہے نہ ہو جاوے
اُس چشم فسوں گر کا بیمار خدا حافظ

---

[۱]—حسرت -

یوں مہر سے فرمایا اُس ماہ نے وقت صبح
ہم جاتے ہیں اب تیرا بیدار خدا حافظ

حسن تیرا سا کہاں بزم میں یاں رکھتی ہے شمع
ایک پھیکا سا نمک کہئے تو ہاں رکھتی ہے شمع
قتل کر مجھ کو تو ہنستا ہے کھڑا اے بے رحم
نعشِ پروانہ پہ دیکھ اشک رواں رکھتی ہے شمع
گر تجھے دیکھے تو ہو شرم سے پانی گھل کر
حسن پر اپنے بہت یوں تو گماں رکھتی ہے شمع
تیرے یک حرف میں خاموش ہو گل کے مانند
گو کہ سو طرح کی تقریر و بیاں رکھتی ہے شمع
ہے غلط دیجئے رو سے ترے اُس کو تشبیہ
آب و تاب اس قدر اے ماہ کہاں رکھتی ہے شمع
پا بہ گل داغ بہ دل درد بہ سر شعلہ بہ لب
سینہ چاک اشک رواں سوختہ جاں رکھتی ہے شمع
روشن اس حال سے بیدار ہوا یوں مجھکو
کہ غمِ عشق کسی کا تو میاں رکھتی ہے شمع

ہوئی تھی ایک شب اُس ماہ کے مقابل شمع
ہے اشک ریز جگر داغ سینہ گھائل شمع
پھرے ہے ڈھونڈتی تجھکو ہر ایک مجلس میں
ترے جمالِ دل افروز کی ہے مایل شمع
زباں درازی تو کرتی ہے اپنے حسن اُوپر
تجھے دکھاؤں تو ہو جاوے وہیں قایل شمع
جو سیرِ عشق کا طالب ہے تو گذر سر سے
کہ سر کٹا کے ہوئی عاشقوں میں کامل شمع
وبال جان کا ہوتا ہے سیم و زر بیدار
دلیل اس کی ہے روشن میانِ محفل شمع

روشن مثالِ شمع ہزاروں ہیں غم کے داغ
تربت پہ دل جلوں کے نہیں حاجتِ چراغ
طاقت نہیں ہے صبر کی اس ابر میں مجھے
ساقی شتاب بادۂ گل گوں سے بھر ایاغ
ہنستا ہوں ورنہ طاقتِ بوسہ کہاں مجھے
کاہے کسو اتنی بات سے ہوتے ہو بد دماغ
آ دیکھ میرے دیدۂ خوں بار کی بہار
اے گل بدن تجھے ہے اگر [۱] شوقِ سیرِ باغ
بیدار رکھتے ہی قدم اس راہِ عشق میں
ایسا ہی گم ہوا کہ نہ پایا کہیں سراغ

ہے غنیمت دیکھ لیجے کوئی دم دیدارِ باغ
ورنہ کو فصلِ بہار و کو گلِ گلزارِ باغ
ہم اسیروں کو نہیں ہے ذوقِ گل گشتِ چمن
ہے ہمیں چاکِ قفس ہی رخنۂ دیوارِ باغ
بار بار اس کے نہ کر تو سامنے چشمِ سیاہ
زردی آنکھوں میں رکھے ہے نرگسِ بیمارِ داغ
رخصتِ پرواز گر اتنی [۲] ہمیں صیاد دے
یک نظر بھر دیکھ آویں دور سے دیدارِ باغ
کوئی پھول ایسا نہ دیکھا جس میں ہو رنگِ ثبات
سیر کی بیدار ہم نے گل سے لے تا خارِ باغ

آتا ہے مجھ کو آج [۳] یہی بار بار حیف
سب ہیں پر ایک تو ہی نہیں یاں ہزار حیف
جس چشم میں کہ گریۂ شادی کی تھی نہ جائے [۴]
جوں شمع تیرے غم میں وہ ہو اشک بار حیف

---

[۱]—اگر ہے تجھے -
[۲]—اتنی گر -
[۳]—آج مجھ کو -
[۴]—جا -

وہ دل کہ پروریدۂ آغوشِ ناز تھا
سیماب وار تونے کیا بے قرار حیف
تیرے سبب میں سب سے ملاقات ترک کی
ملتا نہیں تو مجھ سے ہنوز اے نگار حیف
کہنا جو کچھ نہ تھا سو تو کہتے ہو تم مجھے
اس پر بھی اب جو ہوجئے [۱] ناخوش ہزار حیف
جوں نقشِ پا میں چشم براہ عمر تک رہا
تونے پر ایک دن نہ کیا یاں گذار حیف
بیدار جل کے آتشِ غم میں ہوا میں خاک
نکلا پر اس کے جی سے نہ اب تک غبار حیف

سرمہ عزیز تجھہ کو ہو اے چشمِ یار حیف
برباد و پائمال ہو میرا غبار حیف
داغوں سے لالہ زار ہوا دل سے تا جگر
دیکھی نہ تونے آ کے کبھو یہ بہار حیف
دشمن ہوئی ہے خلق مری تیرے واسطے
سمجھا نہ تو ہنوز مجھے دوست دار حیف
واشد کرے تو غیر سے اے گل چمن میں جا
جوں غنچہ دل گرفتہ رہوں میں ہزار حیف
بھر عمر تیرے عشق میں اے جانِ آرزو
نا شاد ہی رہا دلِ اُمید وار حیف
ملتے ہیں گرم شمع رخاں اہلِ زر سے یاں
روے تو کے واسطےاُن یاں [۲] زار زار حیف
بیدار قدرِ اشک نہیں جانتا ہے تو
کھوتا ہے رائگاں گہرِ آبدار حیف

گماں بے وفائی مجھہ کو یہ تجھہ سے نہ تھا مطلق
گر ایسا جانتا دیتا نہ دل اے دل ربا مطلق

---

[۱]—ہوئے -
[۲]— یوں -

کیا مدت تلک سیرِ ریاضِ دوستی لیکن
نہ پائی گل رخاں میں نکہتِ مہر و وفا مطلق
بجائے خونِ عاشق تو کفِ جاناں پہ بوٹھا ہے
نہ ہوگی پائداری تجھ کو اے رنگِ حنا مطلق
دکھاتا ہے جو تو آئینۂ غماز کو صورت
نہیں اے سادہ رو آنکھوں میں تیری کیا حیا مطلق
برنگِ سایہ بیدار اُس کے ہردم ساتھ رہتا ہوں
نہیں ہے مجھ سے اب تک وہ پریرو آشنا مطلق

کینہ جوئی کا اگر ہم سے ہے آہنگِ فلک
بس ہے تیرِ آہ اے دل از پے جنگِ فلک
میں وہ ہوں آتش طبیعت جس کے سوزِ آہ سے
جل کے خاکستر فلاخن[۱] میں ہوا سنگِ فلک
ایک گردش میں تو اُس مہ سے کیا مجھ کو جدا
دیکھئے اب اور کیا کیا ہوں گے نیرنگِ فلک
دیکھ نئیں سکتا حسد سے ایک جا دو یار کو
پھوٹ جائے کاش یا رب دیدۂ تنگِ فلک
ظلم کی لاکھوں لغت ہیں پر نہیں یک حرفِ مہر
سیر کی بیدار سر تا سر میں فرہنگِ فلک

کیوں نہ لے گلشن سے باغ اُس ارغواں سیما کا رنگ
گل سے ہے خوش رنگ تر اُس کے حنائی پا کا رنگ
جوں ہی مکھ پر سے اُٹھا دی[۲] باغ میں آکر نقاب
اُڑ گیا رنگِ چمن دیکھ اُس رخِ زیبا کا رنگ
چشمِ مے گوں کی تری کیفیتِ رنگیں کو دیکھ
زعفرانی شرم سے ہو نرگسِ شہلا کا رنگ
سر پہ دستارِ بسنتی بر میں جامہ قرمزی
کھب گیا جی میں ہمارے اُس گلِ رعنا کا رنگ

---

[۱]—بلا معنی ' اسی کا وہ پھندا جس میں رکھ کر پتھر یا ڈھیلا پھینکتے ہیں ۔
[۲]—اُٹھایا ۔

آج ساقی دیکھہ تو کیا ہے عجب رنگیں ہوا
سرخ ہے کالی گھٹا اور سبز ہے مینا کا رنگ
دے بھی اس ابرِ سیہ میں جام جلدی سے مجھے
دل بھرا آتا ہے میرا دیکھہ کر صہبا کا رنگ
جس طرف کو دیکھئے بیدار تیرے اشک سے
ہوگیا[۱] ہے سرخ یک سر دامنِ صحرا کا رنگ

آپ نے کہنا کیا سب کا قبول — ایک میرا ہی سخن ہے نا قبول
درد، غم، اندوہ، الم، داغ، اشک، آہ — تیری خاطرمیں کیا کیا کیا قبول
اب اگر کہئے تو سنتے بھی نہیں — آگے جو کہتے تھے ہم سو تھا قبول
ایک دل ہے اے بتاں اپنی بساط — نا قبول اس کو کرو تم یا قبول
دل نہ جاتا ہاتھہ سے بیدار یوں
گر مرے کہنے کو تو کرتا قبول

تا فلک آہ گئی، تا بہ سمک زاریِ دل
اور کیا شرح کروں حالِ گرفتاریِ دل
تھا یہی زور تری زلفِ دل آویز میں بس
خم ہوئی لا نہ سکی تابِ گراں باریِ دل
دیکھئے کیا ہو کہ ہیں دست و گریباں باہم
بے وفائی تری اے یار وفاداریِ دل
غم نے گھیرا ہی تھا گر تو نہ پہونچتا سچ ہے
تجھہ سوا کون کرے اور طرفداریِ دل
ق
صبح کل اس بتِ جاں بخش مسیحا دم سے
عرض کی جا کے میں جب حالت بیماریِ دل
کہنے لاگا کہ بتا دل کی نشانی اپنے
مجھ کو معلوم نہیں بس کہ ہے بسیاریِ دل
میں کہا اے صنم رشکِ مہ و مہر تجھے
کیا مگر یاد نہیں روزِ خریداریِ دل؟

---

[۱] —ہو رہا ۔

شام کے وقت نہ با غمزہ و ناز آیا تھا ؟
شفقی جامہ پہن پھر طلب گاریِ دل ؟
سن کے بولا کہ بھلا تو ھی ھے[۱] ، منصف بیدار
ایک ھوے تو کروں اُس کی پرستاریِ [۲] دل
تجھ سے لاکھوں ھیں پڑے چشم کے بیمار مرے[۳]
کہہ تو کس کس کی کروں پرسشِ بیماریِ دل

بھڑکا ھے آہِ سرد سے جوں شعلہ داغِ دل
روشن دمِ صبا سے ہوا یہ چراغِ دل
ساقی چمن میں تو جو نہ تھا یاد کر تجھے
خوں سے بہ‌رنگِ لالہ بھرا میں ایاغِ دل
گلریز جلوہ تاکہ وہ ھو نوبہارِ حسن
خارِ تعلقات سے کر صاف باغِ دل
بھاتی نہیں ھے باس کسی گل کی لئے صبا
کس کی ھوا ھے بو سے معطر دماغِ دل
دنیا طلب جو چاھیں [۴]فراغت سو یہ محال
جو محوِ یادِ حق ھیں اُنھیں ھے فراغِ دل
خوں‌ریز چشم، شوخ نگہ، تیرزن مژہ
ان ظالموں میں کس سے میں پوچھوں سراغِ دل
جز درد و غم کہ حاصلِ عشقِ بتاں ھے یہ
کیا جانیں ھم کہ ھوے گا کیسا فراغِ دل
اُس کو کہ ھے خیال میں جوں غنچہ سر بہ جیب
ھر دم بہارِ تازہ دکھاوے ھے باغِ دل
بیدار مہرِ یار سے رکھتا ھے [۵] مثلِ ماہ
پر نور بے فتیلہ و روغن چراغِ دل

---

[۱]—ھو -
[۲]—گرفتاری -
[۳]—میرے بیمار -
[۴]—چاھے -
[۵]— ھوں -

اُنھوں پہ بھیجوں ہوں صبح و مسا صلوٰۃ و سلام
کہ پہلے جن پہ خدا نے کہا صلوٰۃ و سلام

مہِ سپہرِ نبوت، محمدِ عربی
کہ جس کے واسطے نازل ہوا صلوٰۃ و سلام

کہا ہے لَحْمُکَ لَحْمِی و بَضْعَۃٌ مِنّی
نبی نے جن کو، ہے اُن پر بجا صلوٰۃ و سلام

حسن ہے سروردیں وہ کہ جس پہ کہتے ہیں
تمام ساکنِ ارض و سما صلوٰۃ و سلام

حضورِ قلب و خشوع و خضوع سے بھیجو
نبی و آلِ نبی پر سدا صلوٰۃ و سلام

سرِ مزارِ حسینِ شہید پر ہر روز
کہیں ہیں حور و ملائک سب آ صلوٰۃ و سلام

نہ ہوئے جس میں کہ نام اُس کے آلِ اطہر کا
نہیں قبول وہ پیشِ خدا صلوٰۃ و سلام

زبان پاک صفائے دلی ہے شرط کہ ہو
قبولِ بارگہِ کبریا صلوٰۃ و سلام

سخن درست میں کہتا ہوں گر نہیں باور
کلامِ حق میں ہے دیکھا لکھا صلوٰۃ و سلام

ہوا ہے امر کہ اے مومنانِ پاک یقین
کہا نبی پہ کرو دائما صلوٰۃ و سلام

مقیمِ روم ہو یا شام صدق سے بھیجو
جہاں ہیں وے وہیں پہونچے ہے جا صلوٰۃ و سلام

گرہ مطالبِ کونین کی کُھلیں بیدار
پڑھے جو دل سے تو ہے وہ دعا صلوٰۃ و سلام

اے ظہورِ مبدۂ ایجاد و قدرت السلام
خاتمِ پیغمبری و ہم نبوت السلام

صفدرِ روزِ وغا شیرِ خدا مشکل کشا
ابنِ عمِ مصطفیٰ شاہِ ولایت السلام

حضرتِ خیرالنساء عصمتِ عفت جناب
صاحبِ مسند نشینِ عرشِ عزت السلام
یا امامِ مجتبیٰ مسموم اخضر پیرہن
صابرِ بیدارِ اربابِ شقاوت السلام
زینتِ دوشِ رسول و زیبِ آغوشِ بتول
کربلا مقتل حسینِ اہلِ عزت السلام
تھا رضائے حق یہ راضی تو وگرنہ یہ لعین
سامنے ہوتے ترے کیا تاب و طاقت السلام
اے شفیعِ عاصیاں بیدار ہے تیرا غلام
کیجیو روزِ حشر اس کی بھی شفاعت السلام

نے فقط تجھ حسن کی ہے ہند کے خوباں میں دھوم
ہے تری زلف چلیپا کی فرنگستاں میں دھوم
تیرے دنداں و لبِ رنگیں کی اے دریائے حسن
کیا تعجب ہے اگر ہو گوہر و مرجاں میں دھوم
کیا کریں پابستۂ کوئے بتاں ہیں ورنہ ہم
کرتے جوں فرہاد و مجنوں دشت و کوہستاں میں دھوم
دیکھ تیرے منہ کو کچھ آئینہ ہی حیراں نہیں
تجھ رخِ روشن کی ہے مہر و مہِ تاباں میں دھوم
اے بہارِ گلشنِ ناز و نزاکت ہر طرف
تیرے آنے سے ہوئی ہے زور ہی بستاں میں دھوم
اک طرف ہیں لالہ و گل رو کے تیرے مدح خواں
اک طرف ہے زلف و خط کی سنبل و ریحاں میں دھوم
شعر کہنا گرچہ چھوڑا [۱] تو لے پر بیدار آج
کہہ سخن ایسے [۲] کہ ہو بزمِ سخن سنجاں میں دھوم

کیا ہوے گلشن میں آکر اے عزیزاں شاد ہم
روئے ہر گل کے گلے لگ یار کو کر یاد ہم

[۱]—شعر چھوڑا گرچہ کہنا -
[۲]—غزل ایسی -

قتل تو کرتا ہے آخر کھول دے آنکھیں تک ایک
دیکھ لیویں تری صورت پھر کے اے جلاد ہم

زلفِ مشکیں قدِ موزوں کے ہے تیرے روبرو
سخت ہیں بیقدر دیکھے سنبل و شمشاد ہم

دیکھنے پائے نہ روئے گل کو تھا قسمت میں یوں
ہوگئے تیرے اسیرِ دام اے صیاد ہم

صورتیں خونخوار ایسی سو بنا پر آج تو
گھر نہ جانے دیں گے تم کو اے ستم ایجاد ہم

کام جو مجھ[۱] سے ہوا ممکن نہیں تجھسے کہ ہو
نقش کی ہے دل میں شکلِ دل ربا فرہاد ہم

لے پرِ پرواز ہے بیدار لے فصلِ بہار
کس توقع پر قفس سے ہوئیں اب آزاد ہم

آ تیری گلی میں مرگئے ہم — منظور جو تھا سو کر گئے ہم
تجھ بن گلشن میں گرگئے ہم — جوں شبنمِ چشم تر گئے ہم
پاتے نہیں آپ کو کہیں یاں — حیران ہیں کس کے گھر گئے ہم
اُس آئنہ رو کے ہو مقابل — معلوم نہیں کدھر گئے ہم
گو بزم میں ہم سے وہ نہ بولا — باتیں آنکھوں سے کر گئے ہم
تجھ عشق میں دل تو کیا کہ ظالم — جی سے اپنے گذر گئے ہم
شب کو اُس زلف کی گلی میں — لینے دل کی خبر گئے ہم
گنجایشِ مو بھی واں [۲] نہ پائی — دل پر دل تھا جدھر گئے ہم

جوں شمع اس انجمن سے [۳] بیدار
لے داغ دل و جگر گئے ہم

شبنم تو باغ میں ہے نہ یوں چشم تر کہ ہم
غنچہ بھی اس قدر ہے نہ خونی جگر کہ ہم

---

[۱]—ہم -
[۲]—وہاں -
[۳]—میں -

جوں آفتاب اس مہِ بے مہر کے لئے
ایسے پھرے نہ کوئی پھرا دربدر کہ ہم

کھتا ہے نالہ آہ سے دیکھیں تو کون جلد
اس شوخِ سنگ دل میں کرے تو ہے گھر کہ ہم

ہے ہر دُرِ سخن پہ سزاوار گوشِ یار
موتی صدف رکھے ہے ' پر ایسے گہر کہ ہم

منہ پر سے شب نقاب اُٹھا یار نے کہا
روشن جمال دیکھ تو اب ہے قمر کہ ہم

زر کیا ہے مال تجھ پہ کریں نقدِ جاں نثار
اتنا تو اور کون ہے اے سیم بر کہ ہم

تازیست ہم بتوں کے رہے ساتھ مثلِ زلف
یوں عمر کس نے کی ہے جہاں میں بسر کہ ہم

غصہ ہو کس پہ آئے ہو جو تیوری چھڑا
لایق عتاب کے نہیں کوئی مگر کہ ہم

بیدار شرط ہے نہ پلک سے پلک لگے
دیکھیں تو رات جاگے [۱]ہے یا تو سحر کہ ہم

مستِ رخِ یسار ہوگئے ہم
سو جی سے نثار ہوگئے ہم

آتا نہیں کوئی اب نظر میں
کس سے یہ دو چار ہوگئے ہم

ہستی ہی حجاب تھی جو دیکھا
اس بحر سے پار ہوگئے ہم

دامن کو نہ پہونچے تیرے ابتک
ہر چند غبار ہوگئے ہم

یاں کون تھا دیکھتے ہی جس کے
یوں عاشقِ زار ہو گئے ہم

فتراک سے باندھ خواہ مت باندھ
اب تیرے شکار ہوگئے ہم

بیدار سرشکِ لالہ گوں سے
ہم چشمِ بہار ہوگئے ہم

یہ بھی کوئی وضع آنے کی ہے جو آتے ہو تم
ایک دم آئے نہیں گذرا کہ پھر جاتے ہو تم

---

[۱]—رات جاگے بہ معنی رات ختم ہو کر ۔

دور سے یوں تو[۱] کوئی جھمکی[۲] دکھا جاتے ہو تم
پر جو چاہوں یہ کہ پاس آؤ کہاں آتے ہو تم

کہئے مجھ سے تو بھلا اتنا کہ کچھ[۳] میں بھی سنوں
بندہ پرور کس کے ہاں تشریف فرماتے ہو تم

اُس پری صورت بلا انگیز کو دیکھا نہیں
ناصحو معذور ہو کر مجھ کو سمجھاتے ہو تم

دیکھئے خرمن پہ یہ برقِ بلا کس کے پڑے
بے طرح کچھ تیوری بدلے چلے آتے ہو تم

جو کوئی بندہ ہو اپنا اس سے پھر کیا ہے حجاب
میں تو اس لایق نہیں جو مجھ سے شرماتے ہو تم

آج یہ گو اور یہ میداں اُنہیں کہہ دیجئے
دیکھ لوں جن کے بھرو سے مجھ کو دھمکاتے ہو تم

پھر نہ آویں گے کبھی ایسے ہی گر آزردہ ہو
بس چلے ہم خوش رہو کاہے کو جھنجلاتے ہو تم

حالتِ بیدار اب کیا کیجے آپ آگے بیاں [۴]
وقت ہے اب بھی اگر تشریف فرماتے ہو تم

خاکِ عاشق ہے جو ہوتی [۵] ہے نثارِ دامن
اے مری جان تو مت جھاڑ غبارِ دامن

دوستو مجھ کو نہ دو سیرِ چمن کی تکلیف
اشک ہی بس ہے مرا باغ و بہارِ دامن [۶]

سرخ جامے پہ نہیں تیرے کناری کی جھلک [۷]
برق اس ابر میں ہووے ہے نثارِ دامن

---

[۱]—گر -
[۲]—بہ معنی جھمکڑا - دیدار - جھپک -
[۳]—یہ -
[۴]—حالتِ بیدار کیجے آپ آگے کیا بیاں -
[۵]—ہووے -
[۶]—اشک ہی سرخ مرا بس ہے بہارِ دامن -
[۷]—چمک -

دیکھنا کیا ہے گریباں کہ جنوں سے ناصح
یاں تو ثابت نہ رہا ایک بھی تارِ دامن

آج بھولے سے ہوا اے گلِ خوبی تیرا
اتفاقاً مری تربت پہ گذارِ دامن

حیف ظالم کہ تجھے کھینچ کے رکھتا یک دم
نہ ہوا ایک بھی سوئے مژہ [۱] خارِ دامن

آستیں تک تو کہاں اس کی رسائی بیدار
دسترس مجھ کو نہیں تابہ کنارِ دامن

یارب جو خارِ غم میں جلادے اُنہوں کے تئیں
جو غنچۂ طرب میں کھلادے اُنہوں کے تئیں

انکارِ حشر جن کو ہے اے سروِ خوش خرام
یک بار اپنے قد کو دکھادے اُنہوں کے تئیں

کہتے ہیں ابرو و مژہ خوں ریز ہیں تری
ظالم کبھی ہمیں بھی بتا دے اُنہوں کے تئیں

اُس شمع روکا مجھ سے جو کرتے ہیں سرد دل
اے آہِ سوز ناک جلادے اُنہوں کے تئیں

سوزاں ہے داغِ ہجر مرے دل میں مثلِ شمع
اے یادِ وصلِ یار بجھادے اُنہوں کے تئیں

کرتے ہیں سرکشی جو کفِ پا سے آبلے
اے خارِ دشتِ عشق بٹھادے اُنہوں کے تئیں

جو صاف و بے غبار ہیں بیدار آشنا
جوں سرمہ اپنی چشم میں جادے اُنہوں کے تئیں

جو پہنچے صدق سے تم پر سلام یا حسنین
حصول اُس کے ہوں مقصد تمام یا حسنین

رکھے ہیں وہ صدف آغوش میں درِ مقصود
وظیفہ جن کا تمہارے ہیں نام یا حسنین

تم ایسے قصرِ معلا کے زیبِ مسند ہو
کہ عرش سے ہے بلند اُس کا بام یا حسنین

[۱]—نہ ہوا سوئے مژہ ایک بھی ۔

رضائے دوست پہ اپنا کرے فدا سر و جان
سوا تمھارے یہ ہو کس سے کام یا حسنین
قتیلِ تیغ جفا و شہیدِ زہرِ دغا
شہادتیں ہوئیں تم پر تمام یا حسنین
وہ مرتبہ ہے تمھارا کہ جس کي شوکت دیکھ
کریں ہیں حور و ملک احترام یا حسنین
ہوئی کسی کی نہ یہ قدر و منزلت اب تک
کہ حق سے رکھتے ہو تم قربِ تام یا حسنین
بحقِ صاحبِ لولاک احمدِ مختار
نبيِ اقدسِ معجز کلام یا حسنین
بحقِ شاہِ نجف مرتضیٰ علي ولي
وصيِ حضرتِ خیرالانام یا حسنین
بحقِ خیرِنساء بضعۂ رسولِ کریم
ہے جس کا عرش سے بالا مقام یا حسنین
بحقِ حضرتِ سجاد باقر و صادق
بحقِ موسیِ کاظم امام یا حسنین
بحقِ شاہِ خراساں علي بن موسیٰ
مقیمِ مشہدِ دارالسلام یا حسنین
بحقِ سرورِ دنیا و دیں تقی و نقی
کہ ہے ہر ایک سپہر احتشام یا حسنین
بحقِ عسکريِ شاہ لشکرِ اسلام
مہانِ اہلِ کرم ذوالکرام یا حسنین
بحقِ ابنِ حسن صاحبِ زماں مہدی
کہ جس سے دیں کا ہوا انتظام یا حسنین
یہ چشم تم سے ہے بیدار کو کہ خلق کے بیچ
رکھو بہ عزت و حرمت مدام یا حسنین
کسي سے اُس کو نہ دو احتیاج ' بر لاؤ
مراد دین کی دنیا کے کام یا حسنین
شہ و امیر سے آتا ہے ننگ و عار اُسے
کہیں ہیں اُس کو تمہارا غلام یا حسنین

مجھے اُمید یہ رکھتا ہے شیشۂ دل میں
پلاؤ چشمۂ کوثر کا جام یا حسنین
اس آفتاب کی تابش میں روزِ محشر کو [۱]
نہ رکھیو اس کے تئیں تشنہ کام یا حسنین
اُٹھے وہ حشر کے دن آپ کے غلاموں میں
دعا ہے اُس کی یہی صبح و شام یا حسنین

کس پریرو نے کیا میری گذر آنکھوں میں
کہ ٹھہرتا نہیں اب کوئی بشر آنکھوں میں
کس کو قدرت کہ رہے آپ میں پھر اُسکے حضور
پھر نظر دیکھے ملا آنکھیں اگر آنکھوں میں
کھینچ لے دیکھتے ہی تارِ نگہ سے دل کو
اس مرے شوخ کی ایسا ہے ہنر آنکھوں میں
دن ہوا دیکھئے کس طرح سے گذرے تا شام
رات تو کاٹی ہے میں تابہ سحر آنکھوں میں
مو بہ مو ڈھونڈھ پھرا زلفوں میں پایا نہ سراغ
ہو نہ ہو دل ہے مرا تیری مگر آنکھوں میں
گرچہ ظاہر میں ہے وہ دور پر اُس کی صورت
رات دن پھرتی ہے جوں نورِ نظر آنکھوں میں
والہ و شیفتہ ہوں اس کے لب و دنداں کا
کب خوش آتے ہیں مجھے لعل و گہر آنکھوں میں
نہ ہوئی تیرے سوا غیر کی یاں گنجایش
جوں نگہ تونے کیا جب سے کہ گھر آنکھوں میں
وہ روانی نہیں اب اشک کی اپنے بیدار
مگر اٹکا کوئی لختِ جگر آنکھوں میں

جانیں مشتاقوں کی لب پر [۲] آئیاں بل بے ظالم تیری بے پروائیاں

[۱]—یعنی محشر کے دن۔
[۲]—تک۔

صبح ہونے آئی رات آخر ہوئی — بس کہاں تک شوخیاں مچلائیاں
بس بھری ناگن ہے کیا ہی زلفِ یار — جس کو دیکھ افعی نے لہریں کھائیاں
جیب تو کیا ناصحا دامن کی بھی — دھجیاں کر عشق نے دکھلائیاں
سادہ روی ہی غضب تھی تس اوپر — کرتے ہو ہر لحظہ حسن آرائیاں
اُس سمن اندام گل رخسار کی — جاں فزا نکہت چراکر لائیاں
سن کے یہ بادِ صبا نے باغ میں — گٹھریاں غنچوں کی پھر کھلوائیاں
لپٹا چھاتی پر مری لیتا تھا وہ — آہ کس کس آن سے انگڑائیاں
اُس سینے کو دیکھ کر سو رشک سے — موج نے دریا پہ لہریں کھائیاں

دیکھتے ہی اُس کو شیدا ہوگیا
کیا ہوئیں بیدار وہ[۱] دانائیاں

فقط قضیہ یہی ہے فنِّ طبعی اور الٰہی میں
جو علمِ معرفت چاہے تو رہ یادِ الٰہی میں
سمجھتا ہے اُسی کا جلوہ کیہہ غیبِ شہادت کو
نہیں کچھ فرق عارف کو سفیدی و سیاہی میں
نہیں آرام مجھ کو اضطرابِ دل سے سینہ میں
کہ دریا مضطرب ہوتا ہے بیتابیِ ماہی میں
نہ کر مستوں سے کاوش ہر گھڑی آ مان کہتا ہوں
خلل آجائیگا زاہد تری عصمت پناہی میں
جگا کر خوابِ آسایش سے بیدار آہ ہستی میں[۲]
عدم آسودگاں کو لاکے ڈالا ہے تباہی میں
جو کیفیت ہے مستی سے تری آنکھوں کی لالی میں
نہیں وہ نشۂ رنگیں شرابِ پرتگالی میں
سرو برگِ خوشی اے گل بدن تجھ بن کہاں مجھکو
گلستانِ دل آیا فوجِ غم کی پائمالی میں

---

[۱] — وے۔
[۲] — نے۔

دُرِ دنداں ہوئے تھے موج زن کس بحر خوبی کے
کہ موتی شرم سے پانی ہوئے سلک لآلی میں
جہاں وہ شکریں لب گفتگو میں آوے اے طوطی
سخن سرسبز تیرا کب ہو واں شیریں مقالی میں
عبث ہے آرزوے خوش دلی بیدار گردوں سے
ملے راحت جو چاہے سو کہاں اس جامِ خالی میں

تلاشِ لفظ و معنی کو ہے اشعارِ خیالی میں
پر اہلِ درد کو لذت ہے اور ہی شعرِ حالی میں
چمکتے سرخی پاں میں ہیں دانت اِس لطف سے اُسکے
کہ برق اس رنگ سے چمکی نہیں بادل کی لالی میں
رقیبِ پیل تن فرشِ زمیں ہو ایک ٹھوکر میں
کہ تابِ زورِ پنجہ کب ہے دستِ شیرِ قالی میں
ہزاروں معنیِ رنگیں ہیں اُس یک بیتِ ابرو میں
نہیں ہے شعر ایسا کوئی دیوانِ ہلالی میں
نہایت طبعِ معنی آفریں بیدار رکھتا ہے
کہ طرحِ ہر غزل کرتا ہے جو مضمونِ عالی میں

روز و شب رکھتا ہوں طفلِ اشک تاب آغوش میں
جیسے رکھتا ہے صدف دُرِّ خوش آب آغوش میں
جوں ہیں آیا یار یاں مستِ شراب آغوش میں
ہو گیا جل کر دلِ حاسد کباب آغوش میں
ایک دم بھی ہجر میں تھمتا نہیں بارانِ اشک
چشمِ گریاں بسکہ رکھتے ہیں سحاب آغوش میں
صبح تک ہر شب یہی رہتا ہے مجھ کو انتظار
آہ کب آوے گا میرا آفتاب آغوش میں
یک طرف کو پارۂ دل یک طرف لختِ جگر
آتشِ ہجراں پہ ہوتے ہیں کباب آغوش میں
دل کو رہتا ہے زبس محوِ تماشائے خیال
رات کو دیکھے ہے دل تیرا ہی خواب آغوش میں

ھے یقیں آوے گا بر میں آج وہ خورشید رو
خواب میں آیا ھے میرے ماھتاب آغوش میں
نقدِ جاں تو کھو چکا دل کوچۂ جاناں میں تو
کیوں تڑپتا ھے اب اے خانہ خراب آغوش میں
مجھ سے ھم بستر ھوا تھا ایک شب وہ گل بدن
اب تک اے [۱] بیدار ھے بوئے گلاب آغوش میں

دل ھمارے کو لیا تم نے چرا [۲] کہتے ھیں
سچ ھے یا جھوٹ یہ کیا جانے، سنا، کہتے ھیں
اے صنم توڑ بھی [۳] تو خانۂ دل کو میرے
یہ وہ گھر ھے کہ جسے بیتِ خدا کہتے ھیں
ھم پہ وہ جور و ستم اوروں پہ وہ لطف و کرم
کچھ بھی انصاف ھے ظالم اسے کیا کہتے ھیں
خونِ عشاق سے خوباں نے کئے رنگیں ھاتھ
افترا باندھے ھیں جو رنگِ حنا کہتے ھیں
شیشۂ دل کو مرے سنگِ ستم سے ٹکڑے
لے کر اس طفلِ پریرو نے کیا، کہتے ھیں
اُس کو کیا کہئے ھوئی آپ سے ھی نادانی
یار کہتے ھیں جو کچھ مجھکو بجا کہتے ھیں
تو بھی چل دیکھ تو بیدار کی حالت ظالم[۴]
جوں حباب آنکھوں میں دم آکے رھا کہتے ھیں

شتاب آ کہ مجھے تابِ انتظار نہیں
کسو ھی طرح مرے دل[۵] کو اب قرار نہیں

---

[۱]—اب تلک -
[۲]—چرا تم نے لیا -
[۳]—توڑے ھے -
[۴]—اے شوخ -
[۵]—جی -

عبث گرے ہے تو وعدہ خلاف ملنے کا
تیری قسم کا مجھے جان اعتبار نہیں
شراب و شاہدِ مینا و سیرِ گلشن ہے
ہزار حیف کہ اس وقت وہ نگار نہیں
نہ دیر ہی پہ ہے موقوف کچھ نہ کعبے پر
وہ کون جا ہے کہ اُس کا وہاں[۱]گذار نہیں
تک آکے دیکھ تو بیدار کے جگر کا [۲] داغ
کسی چمن میں مری جان یہ بہار نہیں

خرقہ رہنِ شراب کرتا ہوں
دلِ زاہد کباب کرتا ہوں
نالۂ آتشیں سے یکدم میں
دلِ فولاد آب کرتا ہوں
آہِ سوزاں و اشک گل گوں سے
کارِ برق و سحاب کرتا ہوں
داغِ سوزانِ عشق سے دل کو
چشمۂ آفتاب کرتا ہوں
ہیں تصور میں اس کے آنکھیں بند
لوگ جانے ہیں خواب کرتا ہوں
برق کو بھی سکوں ہوا آخر
میں ہنوز اضطراب کرتا ہوں
تاکہ بیدار اُس سے ہو آباد
خانۂ دل خراب کرتا ہوں

تجھ بن ہے بیقرار دل اے ماہ کیا کروں
کٹتی نہیں ہے ہجر کی شب آہ کیا کروں
نے دل نہ دل ربا نہ مرے دل[۳] کو ہے قرار
حیراں ہوں اس میں اے مرے اللہ کیا کروں
اے ساحرو بتاؤ تم ایسا فسوں مجھے
جس سے کہ ہوئے اس کو مری چاہ ، کیا کروں
جی کے سوا کچھ اور نہیں اب بساط میں
جاتا ہے یار گھر کو ، میں ہمراہ کیا کروں

---

[۱]—جہاں -
[۲]—کے -
[۳]—جی -

بیدار جلوہ گر ہے مرا یار ہر طرف
جو بے خبر ہو اُس کو میں آگاہ کیا کروں

ہم تری [۱] خاطرِ نازک سے حذر کرتے ہیں
ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
دل و دیں تھا سو لیا اور بھی کچھ مطلب ہے ؟
بار بار آپ جو ایدھر کو نظر کرتے ہیں
فایدہ کیا ہے اگر شرق سے تا غرب پھرے
راہرو وے ہیں جو ہستي سے سفر کرتے ہیں
ہم تو ہر شکل میں یاں آئنہ خانے کی مثال
آپی آتے ہیں نظر سیر جدھر کرتے ہیں
کیا ہو گر کوئی گھڑي یاں بھی کرم فرماؤ
آپ اس راہ سے آخر تو [۲] گذر کرتے ہیں
تیرے ایامِ فراق اے صنمِ مہر گسل
آہ مت پوچھ کہ کس طرح بسر کرتے ہیں
دن کو پھرتے ہیں تجھے ڈھونڈھتے اور رات تمام
شمع کی طرح سے رو رو کے بسر کرتے ہیں
بس نہیں خوب کہ ایسے کو دل اپنا دیجے
آگے تو جان میاں ہم تو خبر کرتے ہیں
یہ وہی فتنۂ آشوبِ جہاں ہے بیدار
دیکھ کر پھروں جواں جس کو حذر کرتے ہیں

سینۂ داغ دار رکھتا ہوں
دیکھئے لالہ زار رکھتا ہوں
جیسے آتش پہ ہو سپند کا حال
یوں دلِ بے قرار رکھتا ہوں
تیری وعدہ خلافیاں یہ کچھ
تسپہ میں انتظار رکھتا ہوں
غم نہیں گو ہے خلق آزردہ
مہرباں تجھ سا یار رکھتا ہوں

---

[۱]—تیری ہم -
[۲]—کو -

نگۂ لطف ہو ادھر بھی کبھو دلِ اُمیدوار رکھتا ہوں
آہ کس کس کا دوں حساب تجھے درد و غم بے شمار رکھتا ہوں
ایسے ظالم کو دل نہ دوں بیدار
اس میں گر اختیار رکھتا ہوں

تیرے کوچہ سے نہ یہ شیفتگاں جاتے ہیں
جھوٹ کہتے ہیں کہ جاتے ہیں کہاں جاتے ہیں
آمد و رفت نہ پوچھ اپنی گلی کی ہم سے [۱]
آتے ہیں ملتے ہوئے کرتے فغاں جاتے ہیں
کعبہ و دیر میں دیکھے ہیں اُسی کا جلوہ
کفر و اسلام پہ کب دیدہ وراں جاتے ہیں
نہیں مقدور کہ پہنچے کوئی اُس تک، پر ہم
جوں نگہ دیدۂ مردم سے نہاں جاتے ہیں
گر ہے دیدار طلب صاف کر اپنے دل کو
روبرو اس کے تو آئینہ دلاں جاتے ہیں
جذب تیرا ہی اگر کھینچے تو پہونچیں ورنہ
تجھ کو سنتے ہیں پرے واں سے جہاں جاتے ہیں
آہ کرتا ہے خراش اُن کا دلوں میں نالہ
کون یہ قافلہ میں نالہ [۲] زناں جاتے ہیں
مجھکو بیدار رکھا پیچھے گراں باری نے
راہ رو جو ہیں سبکسار دواں جاتے ہیں
جی میں ہے کہئے غزل اور مقابل اس کے
پھر اس بحر میں مضموں کے رواں جاتے ہیں

تیرے حیرت زدہ گل اور کہاں جاتے ہیں
کہئے گر آپ سے جاتے ہیں تو ہاں جاتے ہیں

---

[۱]—مجھ سے۔
[۲]—نعرہ۔

وہ[۱] نہیں ہم کہ تیرے جور سے اُٹھ جاتے ہیں
جی ہے جب لگ نہیں اے جانِ جہاں جاتے ہیں

کون وہ قابلِ کشتن ہے بتاؤ ہم کو
آپ جو اس پہ لئے تیر و کماں جاتے ہیں

جیوں نگیں رو سیہی نام سے یاں حاصل ہے
نامور وے ہیں جو بے نام و نشاں جاتے ہیں

سنگ ہستی سے کہ [۲] تھا مانعِ راہ مقصود
جست کر مثلِ شرر گرم رواں جاتے ہیں

تجھ کو فہمید کہاں شیخ کہ سمجھے یہ رمز
واں نہیں بارِ فلک یار جہاں جاتے ہیں

مجھ کو اس لطفِ پریرو نے کہا دیوانہ
ہوش سے دیکھ جسے پیر و جواں جاتے ہیں

غیرِ جوہر نہیں اعراض سے اُن کو کچھ کام
رنگ و بو پر نہیں صاحب نظراں جاتے ہیں

خواب بیدار مسافر کے نہیں حق میں خوب
کچھ بھی ہے تجھکو خبر ہم سفراں جاتے ہیں

دید ہم اس ستم ایجاد کا کر جاتے ہیں
جان پر کھیلتے ہیں سینہ سپر جاتے ہیں

کیا طلسم اسکی گلی میں ہے کہ دل کی مانند
واں سے پھرتے نہیں جو لوٹے خبر جاتے ہیں

روزِ روشن کو کیا اس نے شبِ تار مرے [۳]
جیسے لوٹے کو ضیا شمس و قمر جاتے ہیں

راہ پائے ہیں وہی انجمنِ وحدت میں
شمع کی طرح سے جو سر سے گذر جاتے ہیں

---

[۱]—سوے -
[۲]—جو -
[۳]—روزِ روشن کو شب تار کیا اس نے مری -

هم کو مقصود نہیں سیر و تماشا سے کچھہ اور
دیدۂ تیرا ہی ہے منظور جدھر جاتے ہیں
آئے جس کام کو تھے سو تو وہ ہم سے نہ ہوا
آہ کس منھہ سے ہم اب یاں سے اُدھر جاتے ہیں
نہیں بیدار ہمیں فکرِ معاش ' اپنے ساتھہ
آب و دانہ لئے مانند گہر جاتے ہیں

هم جو تجھہ بزم سے اے نورِ نظر جاتے ہیں
شمع ساں داغ بدل شعلہ بہ سر جاتے ہیں
کچھہ خبر میری بھی رکھتے ہو تم اے بندہ نواز
جان جاتی ہے اِدھر آپ اُدھر جاتے ہیں
مان کہنے کو نہ جا چھوڑ کے اس وقت مجھے
بات رہ جائےگی اور دن تو گذر جاتے ہیں
بے ثباتیِ جہاں دیکھہ فنا آگاہ ساں
چشم وا کرتے ہی اُٹھہ مثلِ شرر جاتے ہیں
رفتگاں کے تئیں کیا روئیں کہ کوئی دم میں
هم بھی اس بزم سے جوں شمعِ سحر جاتے ہیں
لعل مت سمجھو تم اے دل شکناں ان کے تئیں
سیل اشکوں میں بہے لختِ جگر جاتے ہیں
گھر کسی اور کے بیدار نہیں جاتے ہم
خوب‌رو ہو جو کوئی اس کے ․ مگر جاتے ہیں

جو کحلِ چشم ' بتاں تیری خاکِ راہ کریں
شکار سیکڑوں دل کو بہ‌یک نگاہ کریں
دیا ہے حق نے تجھے وہ جمالِ نورانی
کہ کسبِ نور ترے منھہ سے مہر و ماہ کریں
جو ہیں‌گے محوِ خیال اُس کے چشم و ابرو کے
نہ قصدِ میکدہ نے عزمِ خانقاہ کریں

جفا و جور کرے یا وفا و مہر کرے
هم اُس سے عشق میں جو هو سو هو نباہ کریں
بزور چاهیں کہ لیں دل نہ لے سکیں خوباں
ادا و ناز کی سو جمع گر سپاہ کریں
اس اپنی وضع میں بیدار هم بهی هیں مضبوط
کرے جو چاہ هماری هم اس کی چاہ کریں
اسی زمین میں کہہ دوسری غزل بیدار
کہ جس کو اهلِ سخن سن کے واہ واہ کریں

نہ هوئے یہ کہ کبھو آپ آ نگاہ کریں
هزار گر پسِ دیوار آہ آہ کریں
دیا هے هاتهہ میں ان نوخطاں کے صفحۂ دل
سفید خواہ کریں خواہ یہ سیاہ کریں
نہیں هے بندہ نوازی سے واقعی کچهہ دور
کہ آپ ادهر بهی قدم رنجہ گاہ گاہ کریں
یقیں هے دیکهیں اگر اُس مرے شرابی کو
پهر اهلِ صومعہ میخانہ خانقاہ کریں
نہ آسکے وہ یہاں [۱] نے همیں رسائی وهاں
کوئی هے طرح کہ ملنے کی اُس سے راہ کریں
گهڑی گهڑی خفگی بات بات میں جهڑکی
سلوک جس کے یہ هوں [۲] اُس سے کیا نباہ کریں
نہ التفات نہ شفقت نہ مہر نے اخلاص
کس آرزو پہ هم اس بے وفا کی چاہ کریں
گناهگار هی زاهد هیں موردِ رحمت
جو بے گناہ هیں کل حسرتِ گناہ کریں

---

[۱]—هے وہ یاں -
[۲]—هیں -

نشیمن دلِ بیدار کو اگر دیکھیں
بتاں اس آئنہ خانہ کو جلوہ گاہ کریں

بھرے موتی ہیں گویا تجھ دھن میں
کہ دُر ریزی تو کرتا ہے سخن میں
بہار آوا وہی ہے ہر چمن میں
اُسی کی بو ہے نسرین و سمن میں
نہ پھر ایدھر اُدھر ناحق بھٹکتا
کہ ہے وہ جلوہ گر تیرے ہی من میں
جہاں وہ ہی نہیں واں کفر و اسلام
عبث جھگڑا ہے شیخ و برھمن میں
ہوئی جاتی ہے پانی شرم سے شمع
مگر وہ ماہ آیا انجمن میں
چھڑایا تھا بہت مشکل سے پھر آہ
دل اٹکا اُس کی زلفِ پُر شکن میں
جلوں نے دستکاری ایسی ہی کی
نہ تھا گویا گریباں پیرھن میں
مرا جاتا ہے جی غیرت میں ڈوبا
گڑا کس کا ہے دل چاہِ ذقن میں
مگر پروانہ جل کر ہو گیا خاک
کہ رو رو شمع جلتی ہے لگن میں
جو سنتے تھے دم عیسیٰ کا اعجاز
سو دیکھا ہم نے وہ تیرے سخن میں
نہ دیکھا اُس پری جلوہ کو بیدار
رہا مشغول تو یاں ما و من میں

کہاں گنجایشِ حرف [۱] اُس دھن میں
نہیں جاے سخن کچھ اس سخن میں
ھوا یاں کون گل ریزِ تبسم
کہ رنگِ گل ھوائی ہے [۲] چمن میں
لگادی پھر کسی نے آتشِ عشق
کہ سوزش تو ھوئی داغِ کہن میں
جو تیری زلف میں ہے نکہتِ خوش
نہ سنبل میں نہ وہ مشکِ ختن میں
شبیہِ دستِ رنگینِ بتاں ہوں
رکھو برگِ حنا میرے کفن میں
ھوئے دیوانہ اہلِ بزم سارے
جو آیا وہ پریرو انجمن میں
کہا یاں کس نے آ بندِ قبا وا
گریباں چاک ہے ہر گل چمن میں
یہ آیا کون گلشن میں کہ ہر گل
نہیں پھولا سماتا پیرھن میں

---

[۱]—مو۔
[۲]—ھوا ہے ہر۔

جو وہ ٹک بستر گل پر کرے خواب نشاں ہو جائے پھولوں کا بدن میں
لطافت اور نزاکت اس قدر تو نہیں ہے یا سمن و [۱] یا سمن میں
گیا موسم جنوں کا تو بھی بیدار
تو اب تک ہے اُسی دیوانہ پن میں

یہ تو قدرت ہے کہاں پاس جو اُس کے جاؤں
مغتنم جانو اگر دور سے بھی دیکھ آؤں
اُودھر[۲] آنکھیں پڑی روتی ہیں اِدھر[۳] دل نالاں
ہوں تحیر میں کہ کس کس کے تئیں سمجھاؤں
یہ بھی آنا ہے کوئی اس سے نہ آنا بہتر
آئے دم بھی نہ ہوا کرتے ہو [۴] جاؤں جاؤں
رشک سے سینۂ طاؤس کے اُڑجائیں پر
نو بہارِ دلِ پُر داغ اگر دکھلاؤں
ق مہرباں دیکھ شب اُس غنچہ دہاں سے میں کہا
آرزو دل کی کہو مثلِ حنا بر لاؤں
برگِ گُل سے کہ کفِ پا ہیں تمہارے نازک
اپنی آنکھوں سے ملوں آج جو رخصت پاؤں
ہنس کے بولا کہ بس اب لگ نہ چل اتنا بیدار
چاہتا ہے کہ اُٹھا دیویں اگر [۵] فرماؤں

جوں غنچہ اپنی جیب میں جو سرفرو کریں
افسردہ خاطرانِ چمن دل میں رو کریں

[۱]—اور -
[۲]—ایدھر -
[۳]—اُدھر -
[۴]—ہیں -
[۵]—ابھی -

مسجد کو چھوڑے [۱] زاہد و بتخانہ برہمن
یک بار تجھ کو اُن کے اگر رو بہرو کریں
تارِ شعاعِ ماہِ رخِ یار ہے کہاں
چاکِ کتانِ دل کو ہم اس سے رفو کریں
وہ چشمِ مست دیکھیں جو یک بار میکشاں
میں جانوں پھر جو ساغرِ مے آرزو کریں
جو ہم کلام تجھ لبِ جاں بخش سے ہوئے
کس سے اُنھوں دماغ کہ پھر گفتگو کریں
روشن دلانِ جسم گداراں پئے نماز
جوں شمع آبِ چشم سے اپنی وضو کریں
چاہیں جو طوفِ میکدۂ عشق زاہداں
مے سے ردائے زہدو ورع شست وشو کریں
بیدار وہ نگار تو اپنے ہی پاس ہے
جو گم ہوا ہو اس کے تئیں جستجو کریں

بہارِ گلشنِ ایام ہوں میں
سحر نور و سوادِ شام ہوں میں
شتاب آ اے مرے موسیِ نفس تو
کہ خورشیدِ کنارِ بام ہوں میں
اگر منظور ہے آنا تو جلد آ
کہ تجھ بن سخت بے آرام ہوں میں
بجائے مے تری دوری میں اے گل
برنگِ لالہ خوں آشام ہوں میں
محب و مخلص و فدوی ہوں تیرا
سمجھ، تو لایقِ دشنام ہوں میں
تجھے دیکھ آپ میں رہتا نہیں میں
غرض تجھ وصل سے ناکام ہوں میں
بہار آئی چمن میں گو، مجھے کیا
گرفتارِ اسیرِ دام ہوں میں
نشاں اپنا کہیں پایا نہیں یاں
فقط عنقا صفت یک نام ہوں میں
نہ پیغام و سلام و نے ملاقات
عبث تجھ عشق میں بدنام ہوں میں
نہ ہو پروانۂ ہر شمع بیدار
فدائے سروِ گل اندام ہوں میں

---

[۱] — پھوڑے۔

آہ اے یار کیا کروں تجھہ بن　　نالۂ زار کیا کروں تجھہ بن
ایک دم بھی نہیں قرار مجھے　　اے ستم گار کیا کروں تجھہ بن
ہوں تری چشمِ مست کا مشتاق　　جامِ سرشار کیا کروں تجھہ بن
گو بہار آئی باغ میں لیکن　　سیرِ گل زار کیا کروں تجھہ بن
دل ہے بیتاب چشم ہے بے خواب
جانِ بیدار کیا کروں تجھہ بن

چاہ کا تجھہ کو مرے دل پہ گماں ہے کہ نہیں
بوئے گل دیکھہ تو غنچے میں نہاں ہے کہ نہیں
اپنے بندوں پہ جو اس طرح جفا کرتے ہو
خوف کچھہ تم کو خدا کا بھی بتاں ہے کہ نہیں
یاں تو جی آن کے ٹھہرا ہے لبوں پر اپنا
آہ کیا جانئے خبر اس کو بھی واں ہے کہ نہیں
ہے قصور اپنی نظر کا جو نہ دیکھے ورنہ
جلوۂ شمعِ رخِ یار کہاں ہے کہ نہیں
باد سے تیری گلی میں جو اُٹھا گرد و غبار
آج کیا واں کوئی اب اشک فشاں ہے کہ نہیں
ق　ہم نشینوں سے لگا کہنے ستم گر میرا
کہیں بیدار کا پوچھو تو مکاں ہے کہ نہیں
روز و شب میرے ہی کوچہ میں کھڑا رہتا ہے
خطرۂ جان اسے کچھہ بھی یہاں ہے کہ نہیں
یہ وہی جا ہے جہاں قتل ہوا ہے عالم
خاک اورخوں میں یہاں‌کون تپاں ہے کہ نہیں
رحم آتا ہے زبس اُس کی جوانی پہ مجھے
ورنہ کیا پاس مرے تیغ و سناں ہے کہ نہیں

انجمن سازِ عیش تو ہے یہاں　　اور پھر کس کی آرزو ہے یہاں
من و تو کی نہیں ہے گنجایش　　حرفِ وحدت کی گفتگو ہے یہاں

کام کیسا شمع کا ہے لیجاؤ — دل بسرِ آفتاب رو ہے یہاں
دل میں اپنے نہیں کچھ اور تلاش — ایک تیری ہی جستجو ہے یہاں
دست بوسی کو تیری اے ساقی — منتظر ساغر اور سبو ہے یہاں
آ شتابی کہ ہے مکانِ لطیف — سیرِ گلزار و آب جو ہے یہاں

کیا ترے گھر میں رات تھا بیدار
اس گل اندام کی سی بو ہے یہاں

ماہ رخسار ، ہلال ابرو و خورشید جبین
شمعِ روشن کنِ کاشانۂ اربابِ یقین
گل بدن ، غنچہ دہن سرو قد و نرگس چشم
یعنی سر تابہ قدم باغ و بہارِ رنگین
مست و بے باک و غزل خوان و پریشاں کاکل
بزم میں آکے بہ صد ناز ہوا صدر نشین
دیکھ کر چاہے کہ تصویر کو کھینچے اس کی
نقشِ دیوار ہو صورت گرِ بت خانۂ چین
جا کے بیدار کو دیکھا تو عجب حالت ہے
دل ہے افگار جگر خستہ و جاں ہے غمگین
شدتِ درد و الم سے ہے نہایت بیتاب
چشمِ خوں بار سے تر ہیں درو دیوار و زمین

دیکھ کر میں نے کہا اُس کو کہ اے یارِ عزیز
صبر و آرام و قرار ایک بھی دم تجھ کو نہیں
نعرہ و آہ کناں جاں بلب و خستہ جگر
حال ایسا ہے جو تیرا ، مگر عاشق ہے کہیں
لگا کہنے کہ میاں سنتے ہو کچھ مت پوچھو
سر گزشت اپنی کروں تم سے بیاں اب کیا تئیں
ایک دن صید گہِ عشق میں گذرا تھا میں
بہرِ تسکینِ دلِ غمزدہ و جانِ حزین

دیکھتا کیا ہوں کہ آتا ہے نہایت بیباک
شہسوارِ بتِ خونخوار ' عدوے دل و دیں
ناوکِ جور سے دل صید کئے تھے یاں تک
خوں سے تھا دامنِ فتراک سراسر رنگیں
دور سے دیکھتے ہی کھینچ کے قرباں[۱] سے کماں
تیرِ دل دوز لگایا مرے سینہ میں وو ہیں
دیدہ و زخم سے ایسا ہے ہوا خوں جاری
ایک قطرہ بھی مرے تن میں جو ڈھونڈھو تو نہیں
زخم آلود خدنگِ مژۂ کافر کیش
چشمِ انصاف سے دیکھو تو لگے جس کے تئیں
فیسرِ بیتابی و بے خوابی و بے آرامی
اُس کو کس طرح سے ہو صبر و قرار و تسکیں

نہیں تیرا[۲] تو کچھ ہم اے بتِ خود کام لیتے ہیں
کوئی دم زیرِ دیوار آ کے یاں آرام لیتے ہیں
اگر ٹک گھور کے دیکھیں تو عاشق جی سے جاتا ہے
عبث ناوک لگا ہاں ہاتھ میں صمصام لیتے ہیں

نے شکیبائی و نے تاب و تواں رکھتے ہیں
ایک کھنے کو دلِ غم زدہ ہاں[۳] رکھتے ہیں
آتشِ ہجر سے بیتاب ہیں ہم مثلِ سپند
صبر و آرام جو چاہو سو[۴] کہاں رکھتے ہیں

---

[۱]—بمعنی خانۂ کماں یا وہ تسمہ جس میں ترکش بندھا ہوتا ہے -

[۲] - ن کی ردیف کے ان بقیہ اشعار کو مخطوطہ میں رباعی کہا گیا ہے لیکن ان کے اوزان رباعی کے اوزان میں نہیں آتے - بعض اور قدیم دواوین میں بھی اس رسم کی پابندی ملحوظ رکھی گئی ہے ' واللہ اعلم -

[۳]—یاں -

[۴]—تو -

مجھ درد کی خبر تجھے اے بیوفا نہیں
جانے تری بلا کہ تو عاشق ہوا نہیں
مت پوچھ حالِ دیدۂ بیدار اے ولی
مدت ہوئی پلک سے پلک آشنا نہیں[۱]

صورت اُس کی سما گئی جی میں آہ کیا آن بھا گئی جی میں
تو جو بیدار یوں ہوا نازک ایسی کیا بات آگئی جی میں

حصول فقر گر [۲] چاہے تو چھوڑ اسبابِ دنیا کو
لگا دے آگ یکسر بسترِ سنجاب و دیبا کو
وکھے ہیں حق پرستاں ترکِ جمعیت میں جمعیت
میسر ہوئے یہ دولت کہاں اربابِ دنیا کو
فریبِ رنگ و بوے دہر مت کھا مردِ عاقل ہو
سمجھ آتش کدہ اس گلشنِ شادابِ دنیا کو
سیہ مستِ مے تحقیق ہو گر پاک طینت ہے
نجس مت جامِ دل کر بھر کے بس خوبابِ دنیا کو
یہ ہے بیدار زہر آلودہ مار اس سے حذر کرنا
نہ لینا ہاتھہ میں تو گیسوے پرتابِ دنیا کو

ترا جمالِ دل افروز جس نے دیکھا ہو
شبِ سیہ میں نہ محتاج روشنی کا ہو
تمام خوبیِ عالم ہوئی ہے تجھ پہ صنم
جہاں میں کون [۳] ترا اے نگار ہمتا ہو
دکھا مت آئنہ اُس سادہ رو کو مشاطہ
مبادا دیکھ کے اپنا ہی آپ شیدا ہو

---

[۱]—یہ مصرع ولی دکھنی کا ہے ' اِس سے پہلے مصرع میں ولی سے تخاطب کیا گیا ہے -
[۲]—جو -
[۳]—کوئی -

سرشک دیدۂ گریاں فراقِ جاناں میں
بعید کیا ہے اگر رفتہ رفتہ دریا ہو
نہ دلبری نہ دلاسا نہ مہربانی ہے
کوئی فریفتہ کس آرزو پہ ٹھہرا ہو
بلائے زلفِ سیہ رات خواب میں دیکھی
عجب نہیں کہ مرے دل کو آج سودا ہو
بجا ہے توڑے بھی زاھد اس ابر میں توبہ
شراب و ساغر و ساقی اگر مہیّا ہو
کہا میں رات کو اس شمعِ محفل آرا سے
نقاب رو سے اٹھا رے جو تو بھلا کیا ہو
یہ سن کے ھنس کے لگا کہنے مجھ سے اے بیدار
نہ تاب لائے گا بلدِ نقاب گر وا ہو

کہاں ہے طالعِ بیدار یہ کہ ایسا ہو
کہ سر دھرے مرے زانو پہ یار سوتا ہو
شراب و جام و شبِ ماھتاب و دریا ہو
جو تو نہ ہوے تو پھر لطفِ سیر واں کیا ہو
سدا ہوں جس کی میں آوازِ پا تو دوڑوں ہوں
سمجھ کے یہ کہ کہیں تو ھی یاں نہ آتا ہو
کیا ہے تنگ مجھے سخت ناصحوں نے یہاں
جو تو ہو آکے نمایاں تو کیا تماشا ہو
کھڑا ہے آکے سرِ بام وہ بلا بالا
مجھے ہے خوف قیامت کہیں نہ برپا ہو
کریں ہیں ناز گل و لالہ اپنی خوبی پر
ٹک ایک تو بھی یہاں آکے جلوہ فرما ہو
کہو تو مجھ سے بھی وہ کیا ہے ناخوشی کا سبب
بجا ہو خواہ مری جان خواہ بیجا ہو
ہوا ہے گھر مرے بیدار آج وہ مہماں
یہ ڈر مجھے ہے کہ اس کا کہیں نہ چرچا ہو

تم کو کہتے ہیں کہ عاشق کا فغاں سنتے ہو
یہ تو کہنے ہی کی باتیں ہیں کہاں سنتے ہو
چاہ کا ذکر تمہاری میں کیا کس آگے ؟
کون کہتا ہے ' کہو ' کس کے زباں سنتے ہو ؟
کششِ عشق ہی لائی ہے تمہیں یاں ورنہ
آپ سے تھا نہ مجھے یہ تو گماں ' سنتے ہو
ایک شب میرا بھی افسانۂ جاں سوز سنو
قصے اوروں کے تو اے جانِ جہاں سنتے ہو
وہ گل اندام جو آیا تو خجالت سے تمام
زرد ہو جاؤگے اے لالہ رخاں ' سنتے ہو
ایک کے لاکھ سناؤں گا خبردار رہو
اس طرف آئی اگر طبعِ رواں ' سنتے ہیں
آج کیا ہے کہو کیوں ایسے خفا بیٹھے ہو
اپنی کہتے ہو نہ میری ہی میاں سنتے ہو
کون ہے کس سے کروں دردِ دل اپنا اظہار
چاہتا ہوں کہ سنو تم تو کہاں سنتے ہو
یہ وہی شوخ ہے آتا ہے جو بیدار کے ساتھ
جس کو غارت گرِ دل ' آفتِ جاں سنتے ہو

دل کو میں آج ناصحاں اُس کو دیا جو ہو سو ہو
راہ میں عشق کے قدم اب تو رکھا جو ہو سو ہو
عاشقِ جاں نثار کو خوف نہیں ہے مرگ کا
تیری طرف سے اے صنم جور و جفا جو ہو سو ہو
یا ترے پاؤں میں[۱] لگے یا ملے خاک میں تمام
دل کو میں خون کرچکا مثلِ حنا جو ہو سو ہو
خواہ کرے وفا و مہر خواہ کرے جفا و جور
دلبرِ شوخ و شنگ سے اب تو ملا جو ہو سو ہو

---

[۱]—کو ۔

یا وہ اُٹھا دے مہر سے یا کرے تیغ سے جدا
یار کے آج پاؤں پر سر کو دھرا جو ہو سو ہو

نہیں آرام ایک جا دل کو — آہ کیا جانے کیا ہوا دل کو
اے بتاں محترم رکھو اس کو — کہتے ہیں خانۂ خدا دل کو
منہ نہ پھیرا کبھی جفا سے تری — آفریں دل کو مرحبا دل کو
آج لگتی ہے کچھ بغل خالی — کون سینہ سے لے گیا دل کو
لے تو جاتے ہو مہرباں لیکن — کیجو مت آپ سے جدا دل کو
یہ توقع نہ تھی ہمیں ہرگز — کہ دکھاؤگے یہ جفا دل کو
ہیں یہی ڈھنگ آپ کے تو خیر — کہیں نہ پھر دیجئیے گا آ دل کو
ہم تو کہتے تھے تجھکو اے بیدار ق — کیجو مت اس سے آشنا دل کو
آخر اس طفلِ شوخ نے دیکھا
ٹکڑے جوں شیشہ کر دیا دل کو

ایک دن [۱] مدتوں میں آئے ہو — آہ تس پر بھی منہ چھپائے ہو
آپ کو آپ میں نہیں پاتا — جی میں یاں تک مرے سمائے ہو
کیا کہوں تم کو اے دل و دیدہ — جو جو کچھ سر پہ میرے لائے ہو
دید بس کر لیا اس عالم کو [۲] — پھر چلو واں جہاں سے آئے ہو
کیونکہ تشبیہ اس سے دے بیدار
مہ سے تم حسن میں سوائے ہو

داد دیتا نہیں فریادی کو — کام فرمائے ہے جلّادی کو
دل کو کرتا ہے نگاہوں میں شکار — واہ وا ہے تری صیادی کو
دیکھ آکر میرے اشکوں کی بہار — کردیا رشکِ چمن وادی کو
بال و پر سب تو قفس میں اُڑ گئے — کیا کروں گا میں اب آزادی کو
جو سخن فہمِ جہاں ہے بیدار
مانتے ہیں تری استادی کو

---

[۱] — تو۔
[۲] — کا۔

ایک دن وصل سے اپنے مجھے تم شاد کرو
پھر مری جان جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
گر کسی غیر کو فرماؤگے تب جانو گے
وے ہمیں ہیں کہ بجا لاویں جو ارشاد کرو
اب تو ویراں کئے جاتے ہو طرب خانۂ دل
آہ کیا جانے کب آ پھر اسے آباد کرو
یاد میں اُس قد و رخسار کے اے غم زدگاں
جاکے تک باغ میں سیرِ گل و شمشاد کرو
لیکے دل چاہو کہ پھر دیوے وہ دل بر معلوم
کیسے ہی نالہ کرو کیسی ہی فریاد کرو
سرمۂ دیدۂ عشاق ہے یہ اے خوباں
اپنے کوچہ سے مری خاک نہ برباد کرو
دیکھ کر طائرِ دل آپ کو بھولا پرواز
خواہ پابند کرو[۱] خواہ اسے آزاد کرو
آپ کی چاہ سے چاہیں ہیں مجھے سب ورنہ
کون پھر یاد کرے تم نہ اگر یاد کرو
شمعِ افروختہ جب بزم میں دیکھو یارو
حالِ بیدارِ جگر سوختہ واں یاد کرو

آنے دو اپنے پاس مجھ کو [۲] کرتا ہے کچھ التماس مجھ کو
تیرے یہ جور کب سہوں میں گر عشق کا ہو نہ پاس مجھ کو
وہ طفل مزاج ، شیشہ دل میں کس طرح نہ ہو ہراس مجھ کو
لگتا ہے نہ گھر میں دل نہ باہر کس نے یہ کیا اداس مجھ کو
کیا حال کہوں کہ دیکھ اس کو رہتے ہی نہیں حواس مجھ کو
اے نکہتِ گل پڑی ہی رہ تو بھاتی ہے اسی کی باس مجھ کو
گر ہیں یہی جور اس کے بیدار
بچنے کی نہیں ہے آس مجھ کو

---

[۱]—رکھو -
[۲]—آنے دو تم اپنے پاس مجھکو -

کوئی کس طرح تم سے سر بر ہو — سخت بے رحم ہو ستم گر ہو
تیوری چڑھ رہی ہے بھوں اوپر — کیا ہے؟ کیوں؟ کس لئے مکدر ہو؟
کیا شتابی ہی ایسی جائیے گا؟ — خشک تو ہو عرق ' ابھی تر ہو
جان کھائی ہے ناصحوں نے مری — سامنے اُن کے تو تک آکر ہو
لیجے حاضر ہے چیز کیا ہے دل — قصہ اس واسطے جو[۱] مجھ پر ہو
یاد میں اس کی گھر سے نکلا ہوں — سخت بے اختیار و مضطر ہو

اس سے بیدار بات تو معلوم
دیکھنا بھی کہیں میسر ہو

یوں مجھ پہ جفا ہزار کیجو — پر غیر کو تو نہ پیار کیجو
کرتے ہو تم وفا کی باتیں — پر ہم سے تک آنکھیں چار کیجو
آجائیو یار گھر سے جلدی — مت کشتۂ انتظار کیجو
قصداً تو کہاں پہ بھولے ہی سے — ایدھر بھی کبھو گذار کیجو
کوئی بات ہے تجھ سے دل پھرے گا — اس کو تو مت اعتبار کیجو[۲]
بیدار تو اس جہاں میں آکر — جو چاہے سو میرے یار کیجو

پر جس سے کرے کسو کے دل سے
وہ کام نہ اختیار کیجو

جاتے ہو سیرِ باغ کو اغیار ساتھ ہو
جو حکم ہو تو یہ بھی گنہ گار ساتھ ہو
وہ سروِ باغِ ناز جب آوے خرام میں
غوغائے حشر شوخیِ رفتار ساتھ ہو
گلشن میں کب دماغ کہ جاوے وہ سیر کو
جس کے سدا خیالِ رخِ یار ساتھ ہو
تنہا بہارِ باغ جو دیکھے تو کیا حصول
تب لطف ہے کہ وہ گلِ بے خار ساتھ ہو

---

[۱]—تو -
[۲]—س کو مت اعتبار کیجو -

یہاں تک برا ہے مجھ سے کہ کہتا ہے وقت سحر
سب ہوں پر ایک یہ کہ نہ بیدار ساتھ ہو

دیکھے جو نظر بھر وہ دل آرام کسی کو
تا زیست نہ ہو پھر کبھی آرام کسی کو
کیا تجھ سے اُمید اے مرے خود کام کسی کو
دشنام مجھے نامہ و پیغام کسی کو
کیا حال کہوں تجھ سے میں اپنا کہ نہیں بار
در پر ترے لے صبح سے تا شام کسی کو
مر جائیں گے یہ مت باغ میں جا قمری و بلبل
جینے بھی دے اے سروِ گل اندام کسی کو
ہر حلقہ میں سو دامِ بلا رکھتی ہے اپنے
چھوڑے گی نہ یہ زلفِ سیہ فام کسی کو
جوں نقشِ قدم در پہ ترے خاک نشیں ہوں
آوے جو نظر تو بہ سرِ بام کسی کو
کیا چشمِ پیام اس سے ملاقات کی بیدار
جس نے نہ کیا خط کبھی ارقام کسی کو

دیکھ کر لالہ زار بستاں کو یاد کرتا ہوں روئے جاناں کو
ایک دم بھی نظر نہیں آتا [۱] وہ دل آرام چشمِ گریاں کو
اب تو آیا ہے ہاتھ میں کھینچ کر [۲] نہیں چھوڑوں گا تیرے داماں کو
رشک سے دیکھ پیچ کھاتا ہے سنبل اُس گیسوے پریشاں کو
تا ہوں آساں مشکلیں بیدار
ورد کر نام شاہِ مرداں کو

گذر ہماری طرف کر تو اے نگار کبھی تو
کہ کامیاب ہوں ہم سے اُمید وار کبھی تو

---

[۱]—آیا ۔
[۲]—ہرگز ۔

خزانِ ہجر تو دیکھوں ہوں مدتوں سے میں اے گل
ریاضِ وصل کے اپنے دکھا بہار کبھی تو
تنک آکے اے بتِ آرام جاں گلے سے مرے لگ
کہ آوے مجھ دلِ بیتاب کو قرار کبھی تو

چمن میں گر اُس گل بدن کا گذر ہو
عرق میں خجالت سے گل تر بتر ہو
تعجب ہے کیا ناتوانی سے میری
کہ فصّاد شرمندۂ نیشتر ہو
نہیں بارشِ ابر درکار واں تو
جہاں تیرے بیدار کا چشمِ تر ہو

ہم سے کہتے ہو کہ آتا ہوں چلے جاتے ہو
چاہئے یوں ہی تمہیں واہ بھلے جاتے ہو
ایک ہم سے ہی تمہیں کہئے توہے رو پوشی
ورنہ اوروں سے جو دیکھا نہیں شرماتے ہو

تیری محفل میں اگر ہو گذرِ پروانہ
نہ پڑے شمع پہ ہر گز نظرِ پروانہ
اُڑ گئے جل کے سبھی بال و پرِ پروانہ
کچھ بھی اے شمع تجھے ہے خبرِ پروانہ
سخت بیداد ہے جلتے کو جلانا زنہار
نہ کہو شمع سے سوزِ جگرِ پروانہ
بوسۂ شمع کو جلنے کے بہانے آیا
دیکھو اے بزم نشینان ہنرِ پروانہ
ہے زمانہ سے جدا روز و شبِ سوختگاں
شام کہتے ہو جسے ہے سحرِ پروانہ
رات کو مجلسِ دل سوختگاں میں سوزاں
آتشِ عشق سے تھا سر بسرِ پروانہ
وو ہیں ایک دم میں جو دیکھا تو نہ پایا ہم نے
گریۂ شمع سوا کچھ اثرِ پروانہ

قید سے شمع کی ممکن نہیں چھوٹے بیدار
رشتۂ مہر سے باندھا ہے پرِ پروانہ

دیکھ تجھ گیسوے مشکیں کی ادائیں شانہ
دونوں ہاتھوں سے یہ لیتا ہے بلائیں شانہ
چاہئے مجھ دلِ صدچاک کو واں لے جائیں
گر بتاں واسطے زلفوں کے منگائیں شانہ
اُس کے پھر آئے ترے مرہمِ کاکل سے زخم
ہاتھ اُٹھا کیوں نہ کرے تجھ کو دعائیں شانہ
ایک دن گر نہ ملے تجھ سے تو ہو آشفتہ
دیکھ اس زلفِ معنبر کے وفائیں شانہ
حسرتِ گیسوے مشکیں میں مَرے جو بیدار
استخواں اُس کے کا لازم ہیں بنائیں شانہ

عشق کا درد بے دوا ہے یہ — جانے تیری بلا کہ کیا ہے یہ
مار ڈالے گی ایک عالم کو — تیری اے شوخ گر ادا ہے یہ
ہر دم آتا ہے اور ہی سج سے — کیا ہی اللہ میرزا ہے یہ
چاہئے اس کا [۱] شربتِ دیدار — کہ تپِ عشق کی دوا ہے یہ
اُس ستم پیشہ مہر دشمن کی — میرے اوپر اگر جفا ہے یہ
اس میں اس کی تو کچھ نہیں تقصیر — چاہنے کی مرے سزا ہے یہ
دلِ بیدار کو تو لوٹ [۲] لیا
زلف ہے یا کوئی بلا ہے یہ

تو نے جو کچھ کہ کیا مرے دلِ زار کے ساتھ
آگ نے بھی نہ کیا وہ تو خس و خار کے ساتھ
آنکھ اُٹھا کر [۳] بھی نہ دیکھا کبھی تونے ظالم
سر پٹک مر گئے لاکھوں تری دیوار کے ساتھ

---

[۱]—کو -
[۲]—لپیٹ -
[۳]—کے -

یہ کئی تار ہیں وہ رشتۂ جاں ہے یکسر
غلط اُس زلف کی تشبیہ ہے زنار کے ساتھہ
رات دن رہتی ہے جوں دیدۂ تصویر کھلی
آنکھہ جب سے لگی اُس آئینۂ رخسار کے ساتھہ
دیکھیو گر نہ پڑے دیجیو اسے اے قاصد
دلِ بیتاب لپٹتا ہے میں طومار کے ساتھہ
شکوۂ کم نگہی آنکھوں سے اس کی نہ کرو
گفتگو خوب نہیں مردمِ بیمار کے ساتھہ
ہے سزاوار اگر ایسے کو دیجے دل و دیں
ہم بھی دیکھا اُسے کل دور سے بیدار کے ساتھہ

یوں بہارِ خط سبز اس کے ہے رخسار کے ساتھہ
جیسے پھولا ہو بنفشہ کہیں گلزار کے ساتھہ
محشرِ فتنہ ہے اُس شوق کی رفتار کے ساتھہ
جی چلا جائے ہے پازیب کی جھنکار کے ساتھہ
آہ مت پوچھہ کہ کس طرح کٹی شب تجھہ بن
صبح کی رو رو گلے لگ درو دیوار کے ساتھہ
کیا عجب یہ ہے کہ وہ مجھہ سے ملا رہتا ہے
گل کو پیوستگی لازم ہے کہ ہو خار کے ساتھہ
دردِ دل کس سے کہوں کون ہے ایسا کہ سنے
تھا شفیق ایک دل اپنا سو دیا یار کے ساتھہ
لوگ جب اُس سے ملانے لگے مجھکو تو کہا
میری اور اُس کی ملاقات ہے تلوار کے ساتھہ
نقدِ دیں یوں نظر آتا ہے کہ کھو آوے گا
لگ چلا باتوں میں دل اُس بتِ عیار کے ساتھہ
آئینہ دیکھہ تو اُس منہ سے تجھے اے طوطی
دعویِ ہم سخنی اُس لب و گفتار کے ساتھہ
جو ہوئی سو ہوئی اب جانے دو اے بندہ نواز
آکے مل جاؤ گلے ناز سے بیدار کے ساتھہ

کیا ہے تجھہ سے دو چار آئینہ — ہے جو باغ و بہار آئینہ
اپنے اوپر تو رحم کر ظالم — دیکھہ مت بار بار آئینہ
اُس رخِ شعلہ تاب کے آگے — آب ہو شمع وار آئینہ
عکس نے تیرے کردیا اے ماہ — یک قلم زر نگار آئینہ
شرم سے آب ہوگیا یکسر — دیکھ کر روئے یار آئینہ
اُس بتِ خود نما کی صورت کا — ہے مجھے یاد گار آئینہ
سامنے تیرے کچھہ نہیں تو ہے ق ایک دو تین چار آئینہ
مثلِ مینائے سنگ خوردہ ہوئے — ٹکڑے ٹکڑے ہزار آئینہ
تجھہ نگاہ خدنگ زن سےدو چار — ہو گر اب اے نگار آئینہ
پس مناسب ہےیہ کہ سینہ سپر — باندھے آئینہ، چار آئینہ

ہے منور مثالِ مہ بیدار
گرچہ ہے خاکسار آئینہ

اُس سے ہو گر دو چار آئینہ — ہووے حیرت شکار آئینہ
کس تصویر فریب کو دیکھا — ہے جو بے اختیار آئینہ
مثلِ سیماب دیکھہ کر تجھہ کو — ہوگیا بے قرار آئینہ
ایک جلوہ نے کر دیا تیرے — رشکِ صد نو بہار آئینہ
اُس کے آگے نہ منہ پہ نور رہا — گرچہ تھا مہ عذار آئینہ
حسن سازی کرے ہے تو ہر دم — دیکھہ دیکھہ اے نگار آئینہ
کوئی دن یاں کسی کو جینے دے — جانِ من! واگزار آئینہ
دل کو بیدار صاف کر اپنے ق تا ہو یہ بے غبار آئینہ

ہے کدورت ہی مانعِ دیدار
ورنہ ہر دل ہے یار آئینہ

جو ہوئی سو ہوئی جانے دو ملو بسم اللہ
جام مے ہاتھہ سے لو مورے پیو بسم اللہ
منتظر آپ کے آنے کا کئی دن سے ہوں
کیا ہے تاخیر قدم رنجہ کرو بسم اللہ
لے چکے دل تو پھر اب کیا ہے سبب رنجش کا
جی بھی حاضر ہے جو لیتے ہو تو لو بسم اللہ

میں تو ہوں کشتۂ ابروئے بتِ مصحف رو
مو قلم سے مرے تربت پہ لکھو بسم‌اللہ
ذبح کرنا ہی مجھے تم کو ہے منظور اگر
میں بھی حاضر ہوں مري جان اُٹھو بسم‌اللہ
ہوتے آزردہ ہو آنے سے ہمارے جو تم
خوش رہو مت ہو خفا ہم چلے لو بسم‌اللہ
عین راحت ہے مجھے بندہ نوازا اس میں
قدم آنکھوں پہ مري آکے رکھو بسم‌اللہ
جن کی رہتے ہو شب و روز تم اب صحبت میں
جاؤ اے جان اب اُن کے ہی رہو بسم‌اللہ
مست نکلا ہے مئے حسن میں بیدار وہ شوخ
دیکھنا گرِ نہ پڑے کہتے چلو بسم‌اللہ

کچھ نہ ایدھر ہے نے اُدھر تو ہے — جس طرف کیجئے نظر تو ہے
اختلافِ صور ہیں ظاہر میں — ورنہ معنی یک دگر تو ہے
کیا مہ و مہر کیا گل و لالہ — جب میں دیکھاتو جلوہ گر تو ہے
ہے جو کچھ تو سو توھی جانے ہے — کوئی کیا جانے کس قدر تو ہے
کس سے تشبیہ دیجئے تجھ کو — سارے خوباں سے [۱] خوب تر تو ہے
تھک گئے ہم تو جستجو میں تری — آہ کیا جانئیے کدھر تو ہے
وہ تو بیدار ہے عیاں لیکن
اُس کے جلوہ سے بے خبر تو ہے

لبِ رنگیں ہیں ترے رشکِ عقیقِ یمنی
زیب دیتي ہے تجھے نامِ خدا کم سخنی
ھار گل پہنے تھے پھولوں کے نشاں ہے اب تک
ختم ہے گلبدنوں میں تري نازک بدنی
شرم سے آب ہوے نیشکر و قند و نبات
دیکھ کر اے شکریں لب تری شیریں دھنی

---

[۱] — میں ۔

جھوٹے وعدے ترے اے جان کروں سب باور
دل شکستہ نہ کرے گر تری پیماں شکنی
شمع رویوں سے جسے شام و سحر صحبت ہو
ہے سزاوار اسے دعوی خوش انجمنی
میوۂ باغِ ارم اُس کو نہ بھاوے ہرگز
زورِ بوسہ کیا جس نے وہ سیبِ ذقنی
اس قدر مہکے ہے اس کاکلِ مشکیں کی شمیم
جستجو میں ہوے بیدار غزالِ ختنی

شتاب آ کہ نہیں تابِ انتظار مجھے
ترا خیال ستاتا ہے بار بار مجھے
نہیں ہے ایک بھی دم تاب برق وار مجھے[۱]
کیا ہے کس نے الٰہی یہ بیقرار مجھے
سیا تو ہے پہ کوئی دم میں پھر گریباں کا
جدا جدا نظر آتا ہے تار تار مجھے
ہوا ہوں آپ سے خالی برنگِ پیراہن
کسو سے شوق ہے ہونے کا ہم کنار مجھے
تمھاری چشم میں بخت سیہ نے ای خوباں
برنگِ سرمہ دیا رنگِ اعتبار مجھے
نگاہِ مست نے ساقی کی بادۂ جاں بخش
دیا سبھوں کو رکھا کشتۂ خمار مجھے
عدو ہوے ہیں مرے تیری دوستی میں سبھی
پر اب تک آہ نہ سمجھا تو دوستدار مجھے
یہ ہوسکے ہے کہ دل کو اُٹھاؤں اُس سے میں ؟
نہیں ہے اسمیں تو ناصح کچھہ اختیار مجھے
یہ پیچ وتاب تو کچھہ بےسبب نہیں بیدار
دکھا گیا ہے کوئی زلفِ تاب دار مجھے

---

[۱]—نہیں ہے ایک دم اب تاب برق وار مجھے -

تجھہ بن تو ایک دم نہیں آرامِ جاں مجھے
اس حال تو میں چھوڑ چلا اب کہاں مجھے

اے شمع رو سحر کو غمِ ہجر نے ترے
مثلِ چراغِ صبح کیا نیم جاں مجھے

رکھتا ہوں چشم کوچۂ جاناں میں ایک دن
لے جاے گا بہا کے یہ اشکِ رواں مجھے

صورت کو اپنی آپ میں پہچانتا نہیں
ایسا کیا ہے غم نے ترے ناتواں مجھے

سوز و گدازِ ہجر نہ پوچھو کہ مثلِ شمع
اس سر گذشت کا نہیں تابِ بیاں مجھے

رنگیں بہار حُسن نے واں کردیا تجھے
یاں عشق نے کیا چمنِ زعفراں مجھے

لبریزِ شکوہ گرچہ ہوں پر اُس کے روبرو
حیرت خموش کرتی ہے آئینہ ساں مجھے

گلشن میں شور کس کے ہے حسنِ ملیح کا
پھیکا لگے ہے رنگِ گل و ارغواں مجھے

ہجر میں جس نے دیکھی نہ ہو سوزشِ سپند
بیدار کوئے یار میں دیکھے تپاں مجھے

کیا کہوں گذرے ہے ہردم ہجر میں خواری مجھے
یاد آتا کچھہ نہیں جز نالہ و زاری مجھے

اب تو دل نے لا پھنسایا ہے قفس میں عشق کے
دیکھئے کیا کیا دکھاوے گا گرفتاری مجھے

اک طرف ہے چشم گریاں اک طرف دل بیقرار
ہجر میں اس کے ہوئی ہے سخت دشواری مجھے

نشۂ حُبِّ علی سے اسقدر ہوں مست میں
روزِ محشر تک نہیں آنے کی ہشیاری مجھے

ہو گیا بیدار میرا نام مشہورِ جہاں
بسکہ تیری یاد میں رہتی ہے بیداری مجھے

چمنِ لالہ یہ اُلفت تــری دکھلاتی ہے
سیکڑوں داغ ہیں اور ایک مری چھاتی ہے
گرچہ طوطی بھی ہے شیریں سخنی میں ممتاز
پر تری بات کی لذت کو کہاں پاتی ہے
بدلی آجاتی ہے اس لطف سے خورشید پہ کم
زلف مکھڑے پر ترے جس آن سے کھل جاتی ہے
گل ہی تنہا نہ خجل ہے رخِ رنگیں سے ترے
نرگس آنکھوں کے ترے سامنے شرماتی ہے
میں کہاں اور ترا وصل یہ ہے بس اے گل
گاہ بے گاہ تری بو تو صبا لاتی ہے
رات تھوڑی سی ہے بس جانے دے مل ہنس کر بول
نا خوشی تا بہ کجا صبح ہوئی جاتی ہے
روشنی خانۂ عاشق کی ہے تجھ سے ورنہ
تو نہ ہو تو شب مہتاب کسے بھاتی ہے
بن کئے صید نہ چھوڑے گا کسی کے دل کو
واقعی سچ ہے تو اے شوخ بڑا گھاتی ہے
سادگی دیکھو تو دل اُس سے کرے ہے یاری
ناگنی دیکھ کے جس زلف کو بل کھاتی ہے
مہ رخاں کیا ہیں کہ ہوں آکے مقابل بیدار
کانپتی سامنے جس شوخ کے برق آتی ہے

کیونکہ عاشق سے بھلا کوچۂ جاناں چھوٹے
بلبلِ زار سے ممکن ہے کہ بستاں چھوٹے [ا]
کس کے آگے میں کروں چاک گریباں اپنا
جو ترے ہاتھ سے ناصح مرا داماں چھوٹے
غرق ہو جائیں پلک مارتے لاکھوں طوفاں
اشک ریزی پہ اگر دیدۂ گریاں چھوٹے

[ا]—بلبل زار سے ممکن نہیں بستاں چھوٹے ۔

دانت تو کیا ہے اگر کاٹو چھری سے پیارے
ہاتھ سے میرے تو ممکن نہیں داماں چھوٹے
دامنِ وصلِ صنم ہاتھ گر آوے بیدار
تو مرا پنجۂ ہجراں سے گریباں چھوٹے

کون یاں بازارِ خوبی میں ترا ہم سنگ ہے
حُسن کے میزاں میں تیرے مہر و مہ پاسنگ ہے
میں وہ ہوں دیوانۂ سرخیلِ اربابِ جنوں
ہاتھ میں پتھر لئے ہر طفل میرے سنگ ہے
جاے تکیہ عاشقِ بے خانماں کو وقتِ خواب
زیرِ سر کوچہ میں تیرے خشت ہے پاسنگ ہے
اس جواہر پوش کے دیکھے ہیں وہ یاقوت لب
جس کی رنگینی کے آگے لعل بھی اک سنگ ہے
سرمئی آنکھوں کا تیرے جو کوئی بیمار ہو
ایک میل اس کے تئیں رکھنا قدم فرسنگ ہے
جل گیا تنہا نہ کوہِ طور ہی پروانہ وار
آگ تیرے عشق کی شمعِ دلِ ہر سنگ ہے
سخت جانی میری اور ظالم تری سنگیں دلی
آہ مثلِ آسیا یہ سنگ اوپر سنگ ہے
باپ کا ہے فخر وہ بیٹا کہ رکھتا ہو کمال
دیکھ آئینہ کو فرزندِ رشیدِ سنگ ہے
سر مرا تیرے قدم کے ساتھ یوں ہے پیش رو
ٹھوکروں میں جس طرح سے رہ گزر کا سنگ ہے
اعتقادِ مومن و کافر ہے رہبر ورنہ پھر
کچھ نہیں دیرو حرم میں خاک ہے پاسنگ ہے
یہ صدا گھر گھر کرے ہے آسیا پھر پھر مدام
مشتِ گندم کے لئے چھاتی کے اوپر سنگ ہے
شیخ کی مسجد سے اے بیدار کیا ہے تجھکو کام
سجدہ گہہ اپنا صنم کے آستاں کا سنگ ہے

مت پوچھ تو جانے دے احوال کو فرقت کے
جس طور کٹے کاٹے ایام مصیبت کے

جی میں ہے دکھا دیجے اک روز ترے قد کو
جو شخص کہ منکر ہیں اے یار قیامت کے

کہتے ہیں غلط تجھ سے میں دل کو چھڑاؤں گا
چھٹتے ہیں کہیں پیارے باندھے ہوئے الفت کے

قصر و محل اے منعم تجھہ کو ہی مبارک ہوں
بیٹھے ہیں ہم آسودہ گوشہ میں قناعت کے

بیدار چھپائے سے چھپتے ہیں کوئی تیرے
چہرے سے نمایاں ہیں آثار محبت کے

تھم گیا اشک شبِ ہجر میں روتے روتے [۱]
سحرِ وصل ہوا کیا تجھے ہوتے ہوتے

ہاتھ آیا ہے مرے اے بتِ وحشی تو آج
عمر اس بادیۂ عشق میں کھوتے کھوتے

مردمِ چشم سے پوچھ اے مہِ تاباں تجھہ بن
کون سی شب کہ نہ گذری مجھے روتے روتے

آہ یہ دل نہ ہوا گردِ کدورت سے پاک
نہ رہا قطرۂ اشک آنکھہ[۲] میں روتے روتے

ہے خدا جانے کہاں لعلِ وصالِ جاناں
تھک گیا سنگِ غمِ ہجر تو ڈھوتے ڈھوتے

چمنِ عشق میں نکلا نہ نہالِ شادی
دانۂ اشک کو مدت ہوئی بوتے بوتے

دیکھتا کیا ہوں کہ آیا ہے مرے بالیں پر
رات کو یار مرا خواب میں سوتے سوتے

اُٹھہ کے حیرت زدہ دیکھا تو نہ پایا اس کو
کھل گئی آنکھہ مری صبح کے ہوتے ہوتے

---

[۱]—تھم گیا اشک بھی شب ہجر میں روتے روتے -
[۲]—آنکھوں میں -

خواب میں ایک بھی شب یار نہ آیا بیدار
اس تمنا میں کئی دن ہوئے سوتے سوتے

عاشقوں [۱] میں جو کوئی کشتۂ کاکل ہووے
اُس کی تربت پہ صدا سبزۂ سنبل ہووے
سرو سے خوب ہے قد گل سے ہے بہتر رخسار
کیوں نہ قربان ترے قمری و بلبل ہووے
سنگِ غیرت سے مرا شیشۂ دل ہو ٹکڑے
آشنا لب سے ترے جب قدحِ مُل ہووے
زیرِ دیوار ہوں نالاں نہیں لیتا ہے خبر
آہ کیا حال ہوا ایسا جو تغافل ہووے
قدر ہمدرد کی ہمدرد ہی جانے بیدار
سن کے افسردہ مرے حال کو بلبل ہووے

میرِ مجلسِ رنداں آج وہ شرابی ہے
خونِ دل جسے میرا بادہ [۲] و گلابی ہے
عیش چاہئیے جو کچھ سو تو آج ہے موجود
جام [۳] و مے ہے ساقی ہے سیرِ ماہتابی ہے
صبح ہونے دے تک تو رات ہے ابھی باقی
تجھ کو گھر کے جانے کی ایسی کیا شتابی ہے
ہم ہیں اور تم ہو یاں غیر تو نہیں کوئی
آ گلے سے لگ جاؤ وقتِ بے حجابی ہے
چشم کو ہے بے خوابی دل کو سخت بےتابی
ہجر میں ترے ظالم یہ یہ کچھ خرابی ہے
غبغب اس پریرو کا دیکھ ہوش جاتا ہے
طاقِ حسن پر گویا شیشۂ حبابی ہے

---

[۱] — آشنا -
[۲] — بادۂ گلابی -
[۳] — جام مے -

کیوں نہ بزم میں بیدار ہوئے قابلِ تحسین
ہر یک اس غزل کے بیچ شعر انتخابی ہے

عاشق کا اگر دیدۂ خوں بار نہ ہووے
کوچہ میں ترے ایسے تو [۱] گل‌زار نہ ہووے
مردم کو دکھا دیویں پلک مارتے طوفاں
آنکھوں کو اگر یار کا دیدار نہ ہووے
بخشی ہو جسے تجھہ قدحِ چشم نے مستی
وہ مست قیامت کو بھی ہشیار نہ ہووے
رشکِ مہ تاباں ہے ترا روے درخشاں
روشن ہے کہ تجھہ گھر میں شبِ تار نہ ہووے
رکھتی ہے زر و سیم ولے روے ادب سے
نرگس تری آنکھوں کی خریدار نہ ہووے
ق جب دل سے کہا میں نے کہ اے مونسِ جانی
تجھہ سا مرے غم کا کوئی غم خوار نہ ہووے
کیا کیا میں کروں اس کی جفا تجھہ سے بیاں میں [۲]
ویسا کوئی عالم میں ستم گار نہ ہووے
دل کھلے لگا جس میں نہ ہو درد کی طاقت
لازم ہے اسے عشق کا بیمار نہ ہووے
جو رکھہ نہ سکے خارِ رہِ غم پہ قدم کو
اس کو سفرِ عشق سزاوار نہ ہووے
ہر چند کہ دل‌بر کی طرف سے ہو اذیت
عاشق اسے کہتے ہیں جو بیزار نہ ہووے
بیجا ہے شکایت ستمِ یار کی بیدار
ممکن ہے کہ معشوق دل آزار [۳] نہ ہووے ؟

---

[۱]—یہ -
[۲]—کیا کیا میں کروں تجھہ سے جفا اس کی بیاں میں -
[۳]—ستم گار -

رات مت پوچھ کہ تجھ بن جو مصیبت گذری
صبح تک جان عجب دل پہ قیامت گذری
اے گلِ باغِ حیا آکے تنک [۱] مجھ کو ہنسا
کہ تری یاد میں روتے ہوئے مدت گذری
کیا وہ ساعت تھی کہ دل تجھ سے لگا تھا میرا
کہ ترے عشق میں اک دم بھی نہ راحت گذری
ایک شمہ ہے مرے حال سے احوال اُن کا
قیس و فرہاد پہ سنتے ہو جو حالت گذری
عشق میں اُس مہِ بے مہر کے دیکھا بیدار
آہ کیا کیا نہ مرے جی پہ مصیبت گذری

حسن ہر تو نہال رکھتا ہے | کوئی تجھ سا جمال رکھتا ہے ؟
مجھ سے ہو تیرے جور کا شکوہ | یہ بھلا احتمال رکھتا ہے
تجھ سے کچھ اپنا عرضِ حال کرے | دل کب اتنی مجال رکھتا ہے
ماہ کیا ہے کہ جس سے دوں تشبیہ | حسن تو بے زوال رکھتا ہے
جیتے جی اُس سے عاشقِ مہجور | کب امیدِ وصال رکھتا ہے
تو کہاں اور اس کا وصل کہاں | یہ خیالِ محال رکھتا ہے
جی میں بیدار ترے ملنے کا | آہ کیا کیا خیال رکھتا ہے

بزمِ یتاں میں ہر چند ہر ایک دل ربا ہے
پر دل بری میں تیری کچھ اور ہی ادا ہے
جی تو جفا سے تیری آنکھوں میں آ رہا ہے
اس سے اب آگے ظالم کیا تیرا مدعا ہے
رہنے دو یا اُٹھا دو اپنی گلی سے ہم کو
عاشق تو ہیں تمہارے جو کچھ کرو بجا ہے
آہ و فغاں و نالے ہیں کس حساب میں یاں
تجھ عشق میں ستمگر کیا کیا نہ ہو چکا ہے

---

[۱] — نہ تک -

جو کچھہ اب آوے جی میں کہئے ہمارے حق میں
یہ گالیاں تو کیا ہیں یوں ہی اگر رضا ہے
پوچھو جو راست مجھہ سے نے سرو ہے نہ شمشاد
قدِ قیامت اُس کا کچھہ اور ہی بلا ہے
سنتا ہے یاد رکھیو بیدار مصرعۂ درد
دل مت کہیں لگانا الفت بری بلا ہے

دل میں کہتے ہی رہے [۱] آہ تمنا اس سے
گر وہ ملتا تو مزہ لوٹتے کیا کیا اس سے
قیمتِ بوسۂ لعلِ لب اگر چاہے ' جان
مفت ہی جان کے کر گزریے سودا اُس سے
ق
دل میں یوں تھا کہ کبھی یار سے ملنا ہوگا
شکوہ کیا کیا ہی میں اظہار کروں گا اس سے
جوہیں وہ آکے ملا دیکھتے ہی حیرت سے
جی کی جی میں ہی رہی کہنے نہ پایا اس سے
جب میں بیدار کو پوچھا تو کہا کون ہے وہ
میرے کوچہ میں کئی پھرتے ہیں شیدا اس سے

جو تو ہو [۲] پاس تو دیکھوں بہار آنکھوں سے
وگر نہ کرتے ہیں گل کارِ خار آنکھوں سے
کہاں ہے تو کہ میں کھینچوں ہوں راہ میں تیری
بسانِ نقشِ قدم انتظار آنکھوں سے
ز بس کہ آتشِ غم شعلہ زن ہے سینہ میں
گریں ہیں اشک کی جا گہہ شرار آنکھوں سے
میں یاد کر دُرِ دندانِ یار روتا ہوں
ٹپکتے ہیں گہرِ آبدار آنکھوں سے

---

[۱]—کتنی ہی رہی -
[۲]—جو ہو تو -

ٹک آکے دیکھ تو اے سرو قد مرا احوال
رواں ہے غم میں ترے جوئبار آنکھوں سے
چڑھاؤں دستۂ نرگس مزارِ مجنوں پر
جو دیکھوں آج میں روئے نگار آنکھوں سے
چمن میں گل کوئی تجھ سا پری نظر نہ پڑا
اگرچہ دیکھے ہیں جاکر ہزار آنکھوں سے
ہوا ہے دیدۂ بیدار گل فشاں جب سے
گرا ہے تب سے یہ ابرِ بہار آنکھوں سے

آہ ملتے ہی پھر جدائی کی — واہ کیا خوب آشنائی کی
نہ گئی تیری سرکشی ظالم — ہم نے ہر چند جبہ سائی کی
دل نہیں اپنے اختیار میں آج — کیا مگر تونے آشنائی کی
در پہ اے یار تیرے آ پہونچے — طپشِ دل نے رہنمائی کی
قابلِ سجدہ تو ہی ہے اے بت — سیر کی ہم نے سب خدائی کی
جو مقید ہیں تیری الفت کے — آرزو کب اُنھیں رہائی کی
جی میں بیدار کھپ گئی میرے — خندق اس پلجۂ حنائی کی

مقدور کیا مجھے کہ کہوں واں کہ یاں رہے
ہیں چشم و دل گھر اس کے جہاں چاہے واں رہے
مثلِ نگاہ گھر سے نہ باہر رکھا قدم [۱]
پھر آئے ہر طرف پہ جہاں کے تہاں رہے
نے بت کدہ سے کام نہ مطلب حرم سے تھا [۲]
محوِ خیالِ یار رہے ہم جہاں رہے
جس کے کہ ہو نقاب سے باہر شعاعِ حسن
وہ روے آفتاب خجل کب نہاں رہے

---

[۱] — قدم رکھا۔
[۲] — رہے۔

آئے تو ہو یہ دل کو تسلی ہو تب مرے
آتنا کہو کہ آج نہ جاویں گے ہاں رہے
ہستی ہی میں ہے سیر عدم اُس کو یاں جسے
فکرِ میانِ یار و خیالِ دھاں رہے
غیبت ہی میں ہے اس کی ہمارا ظہور یاں
وہ جلوہ گر جب آکے ہوا ہم کہاں رہے
بیدار زلف کھینچے [۱] اِدھر چشمِ یار اُدھر
حیراں ہے دل کہاں نہ رہے کس کے ہاں رہے

ایتک مرے احوال سے واں بیخبری ہے
اے نالۂ جاں سوز یہ کیا بے اثری ہے
یاں تک تو رسا قوتِ بے بال و پری ہے
پہوچوں ہوں وہاں [۲] تیری جہاں جلوہ گری ہے
فولاد دلاں چھیڑیو زنہار نہ مجھہ کو
چھاتی مری جوں سنگ شراروں سے بھری ہے
ہو جائے ہے اوس کی صفِ مژگاں سے مقابل
اس دلکو مرے دیکھو تو کیا بے جگری [۳] ہے
کس باغ سے آتی ہے بتا مجھکو کہ یہ آج
کچھہ اور ہی بو تجھہ میں نسیمِ سحری ہے
تیرا ہی طلب گار ہے دل دونوں جہاں میں
نے حور کا جویا ہے نہ مشتاقِ پری ہے
ہے زور ہی کچھہ آب و ہوا شہرِ عدم کی
ہر شخص کہ بیدار اُدھر کو سفری ہے

زلف اُس رخ پہ صبا سے جو پریشاں ہوجائے
سحر و شام بہم دست و گریباں ہوجائے

---

[۱]—کھینچے زلف -
[۲]—پہوچوں ہوں میں واں -
[۳]—بے خبری -

وہ بہارِ چمنِ حسن جو آ جاوے یہاں
رشکِ بستانِ ارم کلبۂ احزاں ہوجائے
گیسوئے مشک فشاں و رخِ رنگیں سے ترے
سنبل آشفتہ و گل چاک گریباں ہوجائے
تو وہ گل ہے کہ ترے جلوۂ رنگین کو دیکھ
زعفراں زار خجالت سے گلستاں ہوجائے
میں تو کیا چیز ہوں بیدار کہ ہوں اس پہ فدا
گر پری دیکھے تک اس رخ کو پریشاں ہوجائے

ہم ہی تنہا نہ تری چشم کے بیمار ہوئے
اس مرض میں تو کئی ہم سے گرفتار ہوئے
سینۂ خستہ ہمارے سے ہے غربال کو رشک
ناوکِ غم جگر و دل سے زبس پار ہوئے
بکنے موتی لگے بازار میں کوڑی کوڑی
یاد میں تیری زبس چشم گہر بار ہوئے
ق روزِ اول کہ تم آ مصرِ محبت کے بیچ
یوسفِ مصر ہوئے رونقِ بازار ہوئے
نقدِ جان و دل و دین دے کے لیا ہم نے تمہیں
سیکڑوں اہلِ ہوس گرچہ خریدار ہوئے
گھر میں لے آئے تمہیں چاہ سے کرنے شادی
کہ تم اس غمکدہ میں شمعِ شب تار ہوئے
رخِ تاباں سے تمہارے کہ ہے خورشید مثال
درو دیوار سبھی مطلعِ انوار ہوئے
ڈھونڈھتے تم کو پڑے پھرتے تھے ہم شہر بشہر
خوار و رسوائے سرِ کوچہ و بازار ہوئے
للہ الحمد کہ مدت میں تم اے نورِ نگاہ
باعثِ روشنیِ دیدۂ خونبار ہوئے
خانۂ چشم میں رکھتے تھے شب و روز کہ تم
قرۃ العین ہوئے راحتِ دیدار ہوئے

دیکھہ کو مہر و وفا و کرم و لطف کو ہم
جانتے یوں تھے کہ تم یارِ وفادار ہوئے
جس میں تم ہوتے خوشی سوھی تو ہم کرتے تھے
پر نہیں جانتے کس واسطے بیزار ہوئے
اب ہمیں چھوڑ کے یوں زار و نزار و غمگین [۱]
تم کہیں اور ہی جا یاں سے نمودار ہوئے
یہ تو ہرگز ہی نہ تھی تم سے توقع ہم کو
کہ ستم گار ' دل آزار ' جفا کار ہوئے
نہ وہ اخلاص و محبت ہے نہ وہ مہر و وفا
شیوۂ جور و جفا و ستم اظہار ہوئے
یا وہ الطاف و کرم تھا کہ سدا رہتے تھے
اے گل اندام ہمارے گلے کے ہار ہوئے
اس میں حیراں ہیں کہ کیا ایسی ہوئی ہے تقصیر
قتل کرنے کے تئیں پھرتے ہو تیار ہوئے
تیغِ خونریز بکف ' خنجرِ براں بمیاں
ہر گھڑی سامنے آ جاتے ہو خونخوار ہوئے
پھر تو کیا ہے سنتے ہو اٹھو بسم اللہ
کھینچکر تیغ کو آؤ جو ستمگار ہوئے
ورنہ دل کھول کے لگ جاؤ گلے سے پیارے
گو کہ ہم قتل ہی کرنے کے سزاوار ہوئے
اتنی ہی بات کے کہنے میں کہ اک بوسہ دو
آہ اے شوخ جو ایسے ہی گنہہ گار ہوئے
توبہ کرتے ہیں قسم کھاتے ہیں سنتے ہو تم
پھر نہیں کہنے کے آگے کو خبردار ہوئے
پوچھتا کیا ہے تو بیدار ہمارا احوال
دام خوباں میں پھر اب آ کے گرفتار ہوئے

---

[۱]—غم ناک -

سلام بھی ہے زمانہ میں اور دعا بھی ہے — ہمارے یار نے قاصد سے کچھ کہا بھی ہے
جدا تو اس مہ تاباں سے کر دیا مجھکو — ستم کچھ اس سے زیادہ فلک[۱] رہا بھی ہے
ترے فراق میں جو درد و غم گزرتا ہے — کبھی کسی سے مرے حال کو سنا بھی ہے
بلا ہیں زلف و خط و خال و ابرو و مژگاں — کچھ ان بلاؤں کی اے شوخ انتہا بھی ہے

گیا جو راہِ محبت میں گم ہوا بیدار
کبھی سنا ہے کہ جیتا کوئی پھرا بھی ہے

جب تک کہ دل نہ لاگا اُن بے مروتوں سے
ایسام اپنے گذرے کیا کیا فراغتوں سے
الفت گرفتہ دل ہے یاں خوبصورتوں سے
کوئی بات ہے کہ چھوٹے ناصح نصیحتوں سے
بالیں پہ تونے ظالم آ اک نظر نہ دیکھا
عاشق نے جان تو دی پر کیا ہی حسرتوں سے
اول ہی میں تمہارے آنے سے پا گیا تھا
لیجے یہ دل ہے حاضر حاصل حکایتوں سے
دیکھا نہ ٹکڑے ٹکڑے مثلِ کتاں ہوا تو
کہتا تھا میں کہ مت مل دل ماہ طلعتوں سے
مت پوچھ یہ کہ تجھ بن شب کس طرح سے گذری
کاٹی تو رات لیکن کس کس مصیبتوں سے
چاہوں کہ منھ سے نکلے کچھ بات کب یہ قدرت
بالفرض گر میں اس تک پہونچا بھی حسرتوں سے
مضمونِ سوزِ دل کا لکھتے ہی اُڑنے لاگے
حرف و نقط شرر ساں یکسر کتابتوں سے
اتنا ہی کہیو قاصد جبسے کہ تو گیا ہے
جیتا تو اب تلک ہوں پر ایسی حالتوں سے
آتی ہے ہر نفس سے بوئے کبابِ بریاں
یاں تک جگر جلا ہے غم کی جراحتوں سے

---

[۱]—زیاد اے فلک -

بیدار سیر گلشن کیونکر خوش آوے مجھکو
جوں لالہ داغ دل ہے یاروں کی فرقتوں سے

نہ وفا ہے نہ مہر و الفت ہے اے ستمگر یہ کیا قیامت ہے
ایک نرگس تھی سو بھی حیراں ہے چشم سے تیری کس کو نسبت ہے
وصل میں بھی رہے ہے ہجر کا خوف عشق میں ہر طرح مصیبت ہے
گلِ صد برگ دیکھو اس کے ہاتھ دلِ صد چاک کی کتابت ہے
سامنے کون ہوسکے بیدار
نگہہ شوخ برق آفت ہے

جس دن تم آکے ہم سے ہم آغوش ہوگئے شکوے جو دل میں تھے سو فراموش ہوگئے
سننے کو حسنِ یار کی خوبی برنگ گل اعضا میرے بدن کی سبھی گوش ہوگئے
ساقی نہیں ہے ساغرِ مے کی طلب ہمیں آنکھیں ہی تیری دیکھ کے مدہوش ہوگئے
کرتے تھے اپنے حسن کی تعریف گل رخاں اُس لالہ رو کو دیکھ کے خاموش ہوگئے
اے جان دیکھتے ہی مجھے دور سے تم آج یہ کون سی ادا تھی کہ روپوش ہوگئے
رہتے تھے بےحجاب مرے پاس جن دنوں وہ [۱] روز ہائے تم کو فراموش ہوگئے
دنیا و دین کی نہ رہی ہم کو کچھ خبر ہوتے ہی اُس کے سامنے بیہوش ہوگئے
بیدار بسکہ روئے ہم اُس گل کی یاد میں
سر تا قدم سرشک سے گلپوش ہوگئے

تیرے مژگاں ہی نہ پہلو مارتے ہیں تیر سے
ہمسری رکھتے ہیں ابرو بھی دمِ شمشیر سے
دیکھ یہ کرتا ہے غم کی لذتیں ہم پر حرام
ہو سمجھ کر آشنا اے نالہ ٹک تاثیر سے
ہوں میں وہ دیوانۂ نازک مزاجِ گل رخاں
کھینچئے زنجیر جس کو سایۂ زنجیر سے

---

[۱]—وے ۔

سوزِ دل کیونکر کروں اس شوخ کے آگے بیاں
شمع کی مانند جلتی ہے زباں تقریر سے
گرچہ ہوں بیدار غرقِ معصیت سر تابہ پا
پر امیدِ مغفرت ہے شبر و شبیر سے

گر ایک رات گذر یاں وہ رشکِ ماہ کرے
عجب نہیں کہ گدا پر کرم جو شاہ کرے
دکھاوے آئنہ کس منہ سے اُس کو منہ اپنا
کہ آفتاب کو جوں شمعِ صبح گاہ کرے [۱]
مقابل آتے ہی یوں کھینچ لے ہے دل وہ شوخ
کہ جیسے کاہ ربا جذب برگِ کاہ کرے
حواس و ہوش کو چھوڑ آپ دل گیا اُس پاس
جب اہلِ فوج ہی مل جائیں کیا سپاہ کرے
ستم شعار، وفا دشمن، اشنا بے زار
کہو تو ایسے سے کیوں کر کوئی نباہ کرے
گلی تڑپتے ہیں عاشق کئی سسکتے ہیں
اس آرزو میں کہ وہ سنگدل نگاہ کرے
محبت ایسے کی بیدار سخت مشکل ہے
جو اپنی جان سے گذرے وہ اس کی چاہ کرے

جس وقت تو بے نقاب آوے — ہوگا کوئی جس کو تاب آوے
کافی ہے نقابِ زلف منہہ پر — عاشق سے اگر حجاب آوے
کیونکر کہے کوئی حال تجھہ سے — ہر بات میں جو عتاب آوے
قاصد سے کہا ہے وقتِ رخصت — جو وہ بتِ بے حجاب آوے
لے آئیو ور جواب دیوے — لازم ہے کہ تو شتاب آوے
اے جانِ بلب رسیدہ اتنا — رہنا ہے کہ تا جواب آوے
بیدار کو تجھ بن اے دلآرام
ہوتا ہی نہیں کہ خواب آوے

---

[۱]—مولانا احسن مارہروی کی رائے کے مطابق یہ مصرعہ یوں ہے مگر مجھے یہ مصرعہ یوں پسند ہے اور اسی طرح مسودہ میں تھا یعنی ، ع کہ آفتاب کو جو شمعِ صبح گاہ کرے!

قاصد اس کا پیام کچھ بھی ہے　　کہہ دعا یا سلام کچھ بھی ہے
سخنِ مہر خواہ حرفِ عتاب　　اس کے منھ کا کلام کچھ بھی ہے
صاف یا دُرد بادۂ گلگوں [۱]　　ساقیِ لالہ فام کچھ بھی ہے
کیا غمِ ہجر ' کیا سرورِ وصال　　گزراں ہے ' دوام کچھ بھی ہے
اس رخ و زلف سے کہ دوں تشبیہ　　خوبیِ صبح و شام کچھ بھی ہے
یاد میں اپنے یار کے رہنا　　بہتر اور اس سے کام کچھ بھی ہے
تو جو بیدار یوں پھرے ہے خراب
پاسِ ناموس و نام کچھ بھی ہے

اور کچھ دل میں نہیں اپنے تمنا باقی　　ہے مگر آرزوئے یار ہی تنہا باقی
زندگی اپنی تو ہے تجھ سے سو تو جاتا ہے　　اے مری جان رہا مرنے میں اب کیا باقی
نشہ جو چاہئے سو تو نہ ہوا ہے اب تک　　دے بھی ساقی وہ جو ہے شیشہ میں صہبا باقی
سب لٹا عشق کے میدان میں عریاں آیا　　رہ گیا پاس مرے دامنِ صحرا باقی
یاد میں حق کے تو یاں دل کو رکھ اپنے بیدار
ہے بہت مہدِ عدم میں ابھی سونا باقی

مے پئے مست ہے ' سرشار کہاں جاتا ہے
اس شبِ تار میں اے یار کہاں جاتا ہے
تیغ بر دوش ' سپر ہاتھ میں ' دامن گرداں
یہ بنا صورتِ خونخوار کہاں جاتا ہے
ایک عالم ابھی حیرت زدہ کر آیا تو
پھر اب اے آئینہ رخسار کہاں جاتا ہے
دل کو آرام نہیں ایک بھی دم یاں تجھ بن
تو مرے پاس سے دلدار کہاں جاتا ہے
جام و مینا و مے و ساقی و مطرب ہمراہ
اس سر انجام سے بیدار کہاں جاتا ہے

---

[۱] — گلرنگ ۔

تجھ عشق کا دعوی نہیں اے یار زبانی
ہے شمع صفت داغ مرے دل کی نشانی
کیا کیا نہ ترے جور و جفا میں نے اُٹھائے
پر تونے مری آہ کی بھی [۱] قدر نہ جانی
شاید کہ نہو اس میں مرا قصۂ جانکاہ
سنتا ہے نہ اس ضد سے کسو کی وہ کہانی
محفل میں سراپا عرقِ شرم سے ڈوبے
اے شمع جو دیکھے تو مری اشک فشانی
گذرے ہے جو کچھ دل پہ نہ آوے ہے زباں پر
بیدار نہیں حالتِ عشاق بیانی

مکتب میں تجھے دیکھ کسے ہوشِ سبق ہے
ہر طفل کے یاں اشک سے آلودہ ورق ہے
ہوں منتظر اُس مہر کے آنے ہی کا ورنہ
شبنم کی طرح آنکھوں میں دم کوئی رمق ہے
دیکھ اے چمنِ حسن تجھے باغ میں خنداں
شبنم نہیں یہ گل پہ خجالت سے عرق ہے
وہ چاند سا مُنہ سُرخ دوپٹہ میں ہے رخشاں
یا مہر کہوں جلوہ نما زیرِ شفق ہے
نرگس کی زر و گل پہ بھی وا چشمِ طمع ہے
اس پر کہ زر و سیم کا اُس پاس طبق ہے
دل اس بتِ بے مہر کو دے مفت ہی کھویا
کہتے ہیں جو کچھ یار مجھے واقعی حق ہے
جز تیرے نہیں غیر کو رہ دل کے نگر میں
جب سے کہ ترے عشق کا یاں نظم و نسق ہے
مذکور ہوا یاں مگر اس گل کے دھن کا
جو رشک سے ہر غنچہ کا دل باغ میں شق ہے
کر مصقلۂ ذکر سے دل صاف تو اپنا
بیدار یہ آئینہ تجلی گہِ حق ہے

---

[۱]—کبھی آہ مری

گر بڑے مرد ہو تو غیر کو یاں جا دیجے
اس کو کچھ دیکھئے بیٹھے ہمیں اُٹھوا دیجے

دعویٰ رستمی کرتے تو ہیں پر اک دم میں
چھین لوں تیغ و سپر ان کی جو فرما دیجے

کون ایسا ہے جو چھیڑے ہے تمہیں راہ کے بیچ
میں سمجھ لوں گا ٹک اس کو مجھے بتلا دیجے

گم ہوا ہے ابھی یاں گوہرِ دل اے خوباں
ہاتھ لگ جاوے تمہارے تو مجھے پا دیجے

دل و جان دین و خرد پہلے ہی دن دے بیٹھے
آج حیراں ہوں کہ آتا ہے اُسے کیا دیجے

کیا ہو احوال بھلا دیکھ، تو مجھ بیدل کا
نہ کبھی دلبری کیجے نہ دلاسا دیجے

بےوفا ، دشمنِ مہر ، آفتِ جاں ، سنگین دل
حیف بیدار کہ ایسے کو دل اپنا دیجے

جو کچھ چاہئے آپ فرمائیے
یہ غیروں کی باتیں نہ سنوائیے

کبھو تو مرے پاس بھی آئیے
تمنا مرے دل کی بر لائیے

بھروسا نہیں ایکدم زندگی کا[۱]
گر آنا ہے منظور جلد آئیے

نہیں وے کہ تھے جن سے دلبستگی
گئے دور یاں سے کہاں پائیے

ڈراتے ہو کیا قتل کرنے سے مجھکو[۲]
اگر یوں ہی ہے جی میں[۳] آجائیے

یہ کیا چیز ہے دل کہ[۴] تم سے رکھوں
پسند آپ کی ہے تو لے جائیے

نصیحت سے بیدار کیا فائدہ
جو ہو آپ میں اُس کو سمجھائیے

---

[۱]—اس مصرعہ کی بحر منقلب ہوگئي مگر مخطوطہ میں اسي طرح مصرعہ درج ہے ۔
[۲]—ہم کو (اس مصرعہ کی بحر بھي بدل گئي) ۔
[۳]—یوں ہی جی میں ہے ۔
[۴]—جو ۔

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کی
کہاں تجھ لب کے آگے قدر و قیمت لعل و مرجاں کی
عجب کی ساحری اس من ہرن کے چشم فتاں نے
دیا کاجل سیاہی لے کے آنکھوں سے غزالاں کی
تجھے اے لالہ رو وہ حسنِ رنگیں ہے کہ گلرویاں
عبیری پیرہن کرتے ہیں تیری گردِ داماں کی
عبث مل مل کے دھوتا ہے تو اپنے دستِ نازک کو
نہیں جانے کی سرخی ہاتھ سے خونِ شہیداں کی
بہار آئی چمن میں گل کھلے اے باغباں شاید
جنوں نے دھجیاں کر جو اُڑائیں پھر گریباں کی
قدِ موزوں تو شمشاد و صنوبر رکھتے ہیں لیکن
کہاں پاویں لٹک کی چال اس سروِ خراماں کی
نہ دیکھی آنکھ اُٹھا بد حالیِ آشفتگاں ظالم
بناتا ہی رہا تو خوش خمی زلفِ پریشاں کی
برہنہ پا جنوں آوارہ کون اس دشت سے گذرا
کہ رنگیں خوں سے ہے یاں نوک ہر خارِ مغیلاں کی
رکھو مت چشمِ خواب اے دوستو بیدار سے ہرگز
کوئی دیتی ہے سونے یاد اس روئے درخشاں کی

تجھ بن آرامِ جاں کہاں ہے مجھے	زندگانی وبالِ جاں ہے مجھے
گر یہی دردِ ہجر ہے تیرا	زیست کا اپنی کب گماں ہے مجھے
مثل طوطی ہزار معنی میں	سحر سازِ سخن زباں ہے مجھے
ہے خیال اُس کا مانعِ گفتار	ورنہ سو قوتِ بیاں ہے مجھے

خامشی بے سبب نہیں بیدار
باعثِ بستنِ دہاں ہے مجھے

آئیے تا آرزو ہے جاں نثاری کیجئے
اتنی تصدیع آج تو خاطر ہماری کیجئے

هجر میں اس کے نہ اتنی بیقراری کیجئے
اس قدر لازم ہے دل پہ اختیاری کیجئے
اشکِ گلگوں گر ابھی آنکھوں سے جاری کیجئے
شرم سے پانی تجھے ابرِ بہاری کیجئے
آہ اس ماتم سرا میں روئے کر کس کو یاد
اپنے ہی احوال پر جوں شمع زاری کیجئے
خواب میں بھی اسکو ہم تک پہونچنا دوبھر ہوا
واہ واے [۱] شرم یہاں تک پردہ داری کیجئے
خواہشِ روشن دلی گر ہے تو اپنے چشم کو
آئینہ کی طرح صرفِ خاکساری کیجئے
جی میں ہے اب ہو جئے گا دست بردار عشق سے
ناز برداری بتاں کب تک تمہاری کیجئے
آخر اے بیدار دیکھا کیا ترے جی کو بنی
ایسے ظالم سے میں کہتا تھا نہ یاری کیجئے
شوق ہے کہئے بدل کر قافیہ پھر یہ غزل
رات ساری جاگئے اور میگساری کیجئے

نشہ میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے
اتنی رخصت دیجئے بندہ نوازی کیجئے
جس نے اک جلوہ کو دیکھا جی دیا پروانہ وار
اس قدر اے شمع رویاں حسن سازی کیجئے
چاہئے جوکچھ ہو سو ہوئے پہلے سجدہ میں حصول
آپ کو گر کعبۂ دل کا نمازی کیجئے
نردباں کہتے ہیں ہے بامِ حقیقت کا مجاز
چند روز اس واسطے عشقِ مجازی کیجئے
گر دلِ روشن کی خواہش ہے تو شب سے تا سحر
شمع ساں بیدار رو رو جاں گدازی کیجئے

---

[۱] ــ ہے۔

دور سے پاس خوش نہیں آتی یوں ملاقات خوش نہیں آتی
تو نہ ہووے تو اے مہِ تاباں چاندنی رات خوش نہیں آتی
جائے بوسہ کے گالیاں دیجے یہ عنایات خوش نہیں آتی
نہ مے و جام ہے نہ ساقی ہے ایسی برسات خوش نہیں آتی
اُس کے مذکور کے سوا بیدار
اور کچھ بات خوش نہیں آتی

دوستو جانے دو اب ساتھ اُٹھاؤ ہم سے
زخم یہ وہ ہے کہ پُر ہو نہ کسی مرہم سے
گر تری خاطرِ عاطر پہ ہے کچھ مجھسے غبار
آستیں کہہ کہ اٹھاوں مژۂ پر نم سے
مہرباں خیر تو ہے کس پہ ہو غصہ کہئے
آج آتے ہو نظر کچھ تو مجھے برہم سے
اے بتاں سمجھو تو ہوں ہم بھی غنیمت جوں شمع
بزم افروزی تمہاری ہے ہمارے دم سے
جس قدر چاہے تو مے دے کہ سیہ مست ہوں میں
امتیاز اُٹھ گیا ساقی مجھے بیش و کم سے
ننگ ہے سامنے آئینہ کے ہونا مجھ کو
کاسۂ زانو مرا صاف ہے جامِ جم سے
ہجر میں اس مہِ تاباں کے مجھے اے بیدار
سخت تر روز گذرتا ہے شبِ ماتم سے

عیاں ہے شکل تری یوں ہمارے سینہ سے
کہ جوں شراب نمایاں ہو آبگینہ سے
گیا ہے جب سے تو ویراں ہے گھر مرے دل کا
کہ زیبِ خانۂ خاتم گو ہے نگینہ سے
میسر آج ہوئی یہ شبِ وصال اے ماہ
کہ انتظار میں ہر روز تھا مہینہ سے
نہ صبر و تاب نہ دلدار نے دلِ غمخوار
یہ تنگ آگیا جی اب تو ایسے جینے سے

بھرا ہے یاس و تاسف سے یہ خرابۂ دہر
غلط ہے آرزوئے وصال اس دفینہ سے
کچھ ابر ہی نہیں اُس چشمِ تر سے شرمندہ
چمن ہے داغ سراپا ہمارے سینہ سے
عبث ہے چرخ سے بیدار خوش دلی کی طلب
نہ کامیاب ہوا کوئی اس کمینہ سے

پاوے کس طرح کوئی کس کو ہے مقدور ، ہمیں
لے گیا عشق ترا کھینچ بہت دور ہمیں
صبح کی رات تو رو رو کے اب آ اے بے مہر
روزِ روشن کو دیکھا مت شبِ دیجور ہمیں
ربط کو چاہئے یکنوع کی جنسیت یاں
چشمِ بیمار اُسے ہے دلِ رنجور ہمیں
بات گر کیجے تو ہے بندہ نوازی ورنہ
دیکھنا ہی ہے فقط آپ کا منظور ہمیں
الفت اُس شوخ کی چھوٹے ہے کوئی جیتے جی
رکھو اس پند سے اے ناصحو معذور ہمیں
پی ہے مے رات کو یا جاگے ہو تم کچھ تو ہے
آنکھیں آتی ہیں نظر آج تو مخمور ہمیں
یاں سے بیدار گیا وہ مہِ تاباں شاید
نظر آتا ہے یہ گھر آج تو بے نور ہمیں

اُٹھ کے لوگوں سے کنارے آئیے کچھ ہمیں کہنا ہے پیارے آئیے
گر اجازت ہو تو پروانہ کی طرح صدقہ ہونے کو تمہارے آئیے
مدتوں سے آرزو یہ دل میں ہے ایک دن تو گھر ہمارے آئیے
کچھ تو کی تاثیر نالہ نے مرے آے تم مدت میں بارے ، آئیے
آپ کی کل یاد میں بیدار کو
گنتے گذری رات تارے آئیے

زاہد اس راہ نہ آ مست ہیں مے خوار کئی
ابھی یاں چھین لئے جبہ و دستار کئی
جوہیں وہ ہوش ربا آ کے نمودار ہوا
نقشِ دیوار ہوئے طالبِ دیدار کئی
تجھ کو اے سنگ دل اب تک نہیں افسوس خبر
مر گئے سر کو پٹک کر پسِ دیوار کئی
ابرو و چشم و نگاہ و مژہ ہر اک خوں خوار
ایک دل ہے مرا تس پر ہیں دل آزار کئی
اے مسیحائے زماں دیکھ تک آکر احوال
کہ تری چشم کے یاں مرتے ہیں بیمار کئی
کھینچ مت زور سے شانہ کو تو اے مشاطہ
دل ہیں اُس زلف کے بالوں میں گرفتار کئی
کفِ پا میں ترے صحرا کی نشانی بیدار
مر گیا تو بھی پھپھولوں میں رہے خار کئی

دیکھ چشمِ مست سرخ اس ساقیِ سرشار کی
ہوگئی ہیں زرد آنکھیں نرگسِ بیمار کی
کان کے موتی کی تیرے موج ایسی ہے اُٹھے
بہ گئی سب آب داری گوہرِ شہوار کی
جو ہیں آیا باغ میں وہ سروقد و سرخ پوش
رونقِ رنگیں بہاری اُڑ گئی گلزار کی
غیرِ آئینہ کسے قدرت کہ دیکھے بھر نظر
آرزو میں مر گئے لاکھوں ترے دیدار کی
آمد و رفتِ سبک روحاں سے کون آگاہ ہے
شمع سے کس نے سنی آواز پا رفتار کی
دل نہ جا اُس پاس تو ہوجائیگا لوہو میں غرق
موجزن ہے آبِ شمشیر اس مرے خوں خوار کی
اتنی بےرحمی ہے کیا ظالم بھلا چل تو بھی دیکھ
آج کچھ بے طرح حالت ہے ترے بیدار کی

اور کي بـات یاں بہت کم هے
ذکرِ خیر آپ کا هی هر دم هے

جاں تک تو نہیں هے تجهہ سے دریغ
اے میں قربان کیوں تو برهم هے

گاه رونـا هے گاه هنسنا هے
عاشقی کا بهی زور عالم هے

خوش نه پایا کسی کو یاں هم نے
دیکهی دنیـا سرائے ماتم هے

آه جس دن سے آنکهہ تجهہ سے لگی
دل په هر روز اک نیا غم هے

مگر آنسو کسو کے پونچهے هیں
آستیں آج کیوں تری نم هے [۱]

اُس کے عارض په هے عرق کی بوند
یا که بیدار گل په شبنم هے

آنکهہ اُس پری سے کیجئے کیا اب تو جا لگی
چهٹتی هے کوئی بات هے پهر یه بلا لگی

اس لب په دیکهئے مسی و پان کي دهڑي
شام و شفق ان آنکهوں میں کب خوش نما لگی

گولی تهی یا خدنگ تهي ظالم تری نگاه
چهٹتے هی دل کو توڑ کلیجه میں آ لگی

کس طرح حال دل کہوں اُس گل سے باغ میں
پهرتی هے اُس کے ساتهہ تو هردم صبا لگی

اِس درد دل کا پوچهئے کس سے علاج جا
اپنی سی کرچکے په نه کوئی دوا لگی

آیا جو مہرباں هو ستمگر تو اِس طرف
کس وقت کی نه جانئے تجهہ کو دعا لگی

یه دست رس کسے که کرے اُس کو [۲] دست بوس
سو منتوں سے پاؤں میں اس کے حنا لگی

میں کیا کیا که مجهہ کو نکالے هے وه صنم
اے اهلِ بزم کوئی تو بولو خدا لگی

اتنا تو وه نہیں هے که بیدار دیجے دل
کیا جانے پیاری اس کی تجهے کیا ادا لگی

---

[۱]—آستیں آج آپ کي نم هے -
[۲]—اس سے -

تک ایک سامنے آ تو بھی باغ میں گل کے
کہ ہے فروغِ نزاکت دماغ میں گل کے
کیا جو وہ مہِ نسریں عذار گلشن میں
نہ منہ پہ نور رہا کچھ چراغ میں گل کے
اگر چلی ہے تو یوں چل کہ پات بھی نہ ہلے
خلل مبـاد صبا ہو فـراغ میں گل کے
چمن میں حسن نے کس کے یہ تیغ رانی کی
کہ پرزے اُڑ گئے یکلخت باغ میں گلوں کے
نکر بہار میں بلبل کو قید اے صیاد
کہ مثلِ شمع جلےگی وہ داغ میں گل کے
عجب مزہ ہے کہ پیتے ہیں نونہالِ چمن
سبوئے غنچہ سے بھر مے ایاغ میں گل کے
گئی بہـارِ چمن، آ گئی خـزاں بیدار
کہ عندلیب پھرے ہے سراغ میں گل کے

رمز و ایما و اشارات چلی جـاتی ہے
چھیڑ کی ہم سے وہی بات چلی جاتی ہے
کیا ہے وہ مجھ سے بھی فرماؤ کہ یہ جس کے لئے
شکوہ آمیز حکایات چلی جاتی ہے
قصہ کوتاہ کرو جانے دو اس ذکر کو اب
یوں ہی ان باتوں میں یہ رات چلی جاتی ہے
ہو چکا موسمِ باراں تو کب کا لیکن
اشک کی اپنے تو برسات چلی جاتی ہے
حلقۂ زلف میں مو کی بھی نہیں گنجائش
دل کے لینے کی وہی بات[۱] چلی جاتی ہے
ایک مجھ سے ہی اسے کہئے تو ہے کج خلقی
ورنہ اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے
ربط جو چاہئے بیدار سو اس سے معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلی جاتی ہے

---

[۱]—گہات۔

تیغِ حسن آبدار رکھتا ہے ایک دو دن میں مار رکھتا ہے
سنگ و آہن میں جس کے آگے موم وہ دلِ سخت یار رکھتا ہے
کیاہے وہ صاف کہہ کہ میں بھی سنوں کیوں تو مجھ سے غبار رکھتا ہے
تجھ کو میں چھوڑ اور کو چاہوں اس کو تو اعتبار رکھتا ہے ؟
مے کشی کس کے ساتھ کی بیدار
آج جس کا خمار رکھتا ہے

مہرِ خوباں خانہ افروزِ دل افسردہ ہے
شعلہ آبِ زندگانیِ چراغِ مردہ ہے
مرغِ دل تیری نگہ کا ہو چکا اب تو شکار
جا کہاں سکتا ہے یاں سے صیدِ ناوک خوردہ ہے
ہے بہارِ رنگ و بوے تازہ روے خصمِ جاں
سالم آفاتِ حوادث سے گلِ پژمردہ ہے
جان و ایماں دین ودل جو تھا بساط اپنا دیا
اور کیا چاہے ہے تو مجھ سے جو اب آزردہ ہے
اے شہِ اقلیمِ خوبی تا سرِ دروازہ آ
نذر کو بیدار تیری جاں بکف آوردہ ہے

خورشید تیرے سامنے آکر نہ چل سکے
حیرت زدہ ہو جوں مہِ نخشب نہ ہل سکے
اے ہم دم اور ذکر خوش آتا نہیں مجھے
کچھ اس کی بات کہہ کہ مرا جی بہل سکے
روشن دلی حصول اُسے ہو کہ مثلِ شمع
سوز و گدازِ عشق میں گھل گھل کے جل سکے
اس سخت دل کو کیا کرے نرم آہِ آتشیں
آتش سے کوئی بات ہے پتھر پگھل سکے
آنے سے تیرے کچھ تو ہوا ہوں بحال میں
اتنا تو بیٹھ یار کہ جی ٹک بہل سکے

عشق اُس پری کا یارو مرے دل[۱] کے ساتھہ ھے
یہہ وہ بلا نہیں کہ کسی سے جو ٹل سکے
وہ ناتواں طبیب سے کیا حالِ دل کہے
جس کی کہ آہ بھی نہ جگر سے نکل سکے
بیدار اِس زمین میں یوں چاھتا ھے دل [۲]
کہہ اور بھی غزل اگر ایسی ھی ڈھل سکے

کوچہ سے تیری زلف کے دل کیونکہ چل سکے
مشکل ھے اِس طلسم میں آ پھر نکل سکے
اپنے تو اختیار سے اب جا چکا ھے دل
توھی اگر سنبھالے تو شاید سنبھل سکے
آنکھیں دکھا کے دل کو مرے چھین لے گیا
اُس مفت بر سے کیا کروں جو بس نہ چل سکے
ناصح بھلا ھے کچھہ بھی نصیحت سے فائدہ
وہ بات کہہ کہ جس سے مرا جی بہل سکے
اس کی گلی سے ہم کو اُٹھانا محال ھے
جو نقشِ پا کہ بیٹھے وہ ھرگز نہ ھل سکے
حیراں ھوں کس طرح کہوں احوالِ دل اُسے
جس کے حضور بات نہ منہہ سے نکل سکے
بیدار مثلِ آئینہ دیکھہ اس کو بھر نگاہ
جو آپ سے گیا ھو وہ پھر کیا سنبھل سکے

حسنِ سرشار ترا داروے بیہوشی ھے
ھوش میں کون ھے کسکو سرِ میخوشی ھے
کچھہ اگر بے ادبی ھوے تو معذور رکھو
صحبتِ میکشی و عالمِ بیہوشی ھے
جوں ھلال آپسے یکسر میں ھوا ھوں خالی
تجھہ سے اے مہرلقا شوقِ ھم آغوشی ھے

---

[۱]—جی ۔
[۲]—جی ۔

بانگ گل باعث گردن شکنی ہے گل کی
غنچہ سالم ہے کہ جبتک اوسے خاموشی ہے
سر چڑھا جائے ہے اے زلف کسو کی تو مگر
اوس پری رو سے تجھے آج جو سرگوشی ہے
آب ہو جائے ہے اوس تیغِ نگہ کے آگے
گرچہ آئینہ کی [۱] جوہر سے زرہ پوشی ہے
عمر غفلت ہی میں بیدار چلی جاتی ہے
یاد ہے جسکی فرض اوس سے فراموشی ہے

خورشید شرم سے ترے آگے نہ آسکے
کیا تاب آئینہ جو تجھے منہ دکھا سکے
اپنا تو کام یاں تو کوئی دم میں ہے تمام
اے جذبِ عشق جلد اُسے لا جو لاسکے
دھوتا ہے میرے خون کو دامن سے تو عبث
یہ رنگ وہ نہیں جسے پانی چھڑا سکے
ہالہ تو کرسکا نہ رخِ ماہ کو نہاں
کیونکر نقاب مکھڑیکو تیرے چھپا سکے
بیدار کیونکہ آتشِ دل اشک سے بجھے
ظاہر کی آگ ہوئے تو پانی بجھا سکے

رباعی [۲]

کوئی دم کھڑا جو تو لبِ دریا پہ رہ سکے
ہو جائے آب آئنہ یکسر نہ بہ سکے
وہ توہی ہے کہ جی میں جو کچھ آوے سو کہے
ورنہ مجال کسکی مجھے بات کہہ سکے

---

[۱]—کو -

[۲]—یہ اشعار بھی شاید متفرقات میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں کیونکہ رباعی کے اوزان میں نہیں آتے ۔ مرتب ۔

رباعی

عاشق تو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو سکے
دامن پکڑ کے چھوڑے ترا یہ نہ ہو سکے
ہمچشمِ ابر دیدۂ تر یوں تو ہو سکے
اتنا نہ ہو غبارِ غمِ دل کہ دھو سکے

رباعی

صبا کوچہ میں تیرے اس لئے ہر صبح آتی ہے
کہ تیری بو سے جا گلشن میں پھولوں کو بساتی ہے
بچشم اشک و بہ لب آہ و بدل درد و غم دوری
تری الفت مجھے اے بیوفا کیا کیا دکھاتی ہے

رباعی

رشتۂ دوستی اوروں سے جو چاہوں توڑے
پر کوئی بات ہے تجھ سے میری الفت چھوٹے
مجھ کو ہرروز یہ ہی خوف ہے اے طفل مزاج
شیشۂ دل نہ کہیں ہاتھ سے تیرے ٹوٹے

رباعی

کچھ بھی یاں جسکے تئیں عاقبت اندیشی ہے
ترکِ اسبابِ جہاں و سرِ درویشی ہے
یاد میں اوس مژۂ یار کی کیا ہے کہ نہیں
جان خراشی و جگر کاوی و دلریشی ہے

رباعی

تیرے ہی رو سے یہ شمعِ نگہ افروختہ ہے
رشتۂ دید سے اوروں کی نظر دوختہ ہے
نذر میں اوس شہِ خوباں کی کروں کیا بیدار
دل ہے سو داغ ہے جان ہے سو غم اندوختہ ہے

در نعت آنحضرت صلی‌الله علیه و سلم

بھیجو اس شاہ پر درود و سلام — کہ ہے فخرِ جہاں و خیرِ انام
ہادمِ کفر و بانیِ اسلام — سیدالانبیاء محمد نام

صبح رویش ز والضحیٰ اوضح
منشرح صدرش از الم نشرح

ہادیِ گمرہانِ بد کردار — شافعِ بندگانِ عصیاں کار
حامیِ دین قاتلِ کفار — سرورِ خلق احمدِ مختار

نقدِ یثرب سلالۂ بطحیٰ
امیِ لوح خوانِ ما اوحیٰ

نہ ہوا تھا وجودِ لوح و قلم — نہ مصور تھی صورتِ آدم
اولِ فکرِ موجدِ عالم — خاتمِ انبیاء شفیعِ امم

قائدالخلق بالہدیٰ والعون
شاہِ لولاک ما خلقت الکون

ہیں جو ارض و سما و مافیہا — وہ ہوا باعث اون کے ہونے کا
ہوویں گر آکے جمع سو اعدا — اس حبیبِ خدا کو خوف ہے کیا

جعبۂ تیرِ مارمیت کفش
چشمِ تنگِ سیہ دلاں ہدفش

اس سوا اور کچھ نہ تھا مقصود — کہ رہے آنکھوں آگے حق موجود
چشمِ مشتاق جلوہ گاہِ شہود — کیوں نہ ہوں ناظرِ جمالِ ودود

کحلِ مازاغ سرمۂ بصرش
ماطغیٰ وصفِ پاکی نظرش

مظہرِ خاص پاک ذاتِ احد — مقبلِ لم یلد ولم یولد
واقفِ رمزِ رازہائی صمد — لقبِ برگزیدہ اش احمد

پایۂ ارتقاش ثم دنیٰ
ذروۂ اعتلاش او ادنیٰ

قربِ معراج یوں تو سب کو ہوا — پر نہ وہ مرتبہ جو اس کو دیا
پھر کے واں سے جو ہر نبی سے ملا — دیکھتے ہی اسے یہ سب نے کہا

یانبی اللہ اسلام علیک
انماالفوز والفلاح لدیک

جن وانسان کیا ملائک و حور کوہ و اشجار کیا وحوش و طیور
اوس کی مداحی سبکو ہے منظور پر نہ اس میں کسو کا ہے مقدور
وصفِ خلقِ کسے کہ قران‌است
خلق را نعت اوچہ امکان‌است

مدحِ اُستادِ شاعرانِ جہاں سب ہوئے اس میں عاجز و حیراں
مجھ سے کیا ہوئے وصف اس کا بیاں ہو جو ممدوحِ حضرتِ سبحاں
لا جرم معترف بہ عجز و قصور
می فریسم تحیتی از دور

موردِ وحی مصدرِ اعجاز طائرِ قدس لا مکاں پرواز
کعبۂ مدعائے اہلِ نیاز میں گدا وہ شہِ غریب نواز
لست‌اهدی سوي الصلواۃ الیہ
یا مفیض‌الوجود صل علیہ

حسنِ یوسف تو واقعی تھا خوب کہ ہوا نورِ دیدۂ یعقوب
تو ہے۔ پر ساري خلق کا مطلوب اور حق نے کیا تجھے محبوب
اے دل و دیدہ خاکِ نعلین‌است
رشتۂ جاں شراکِ نعلین‌است

خلق کے واسطے ہے تیري ذات کعبۂ امن قبلۂ حاجات
حشر کے روز تا کہ پاؤں نجات متوقع ہوں اے کریمِ نجات
لب بہ جنباں پئے شفاعتِ من
منگر در گناہ و طاعتِ من

نفسِ شیطاں نے دی مجھے بالا کلِ ولائی گناہ میں ڈالا
کون میرا نکالنے والا تجھ سوا یہانسے اے شۂ والا
رحم کن برمن و فقیري من
دست دہ بہرِ دستگیري من

ہے یہ دنیا تمام آفت گاہ نظر آتی نہیں ہے جائے پناہ
جز ترے در کے یا رسول‌اللہ سخت مضطر ہوں حسبناً للہ
سویم افگن ز مرحمت نظرے
باز کن بر و رخم ز لطف درے

مرتضیٰ شہرِ بہشتِ قدرت نافعِ دین و قاطعِ بدعت
فاطمہ زیبِ حجلۂ عزت گوہرِ درجِ عصمت و عفت
آں مشرف بہ لحمک لحمی
این معزز بہ بضعۃٌ منّی
آل و اولاد و سیدالثقلین راحتِ قلب و قرۃالعینین
سرورِ برگزیدگاں حسنین ہر دو محبوبِ خالقِ دارین
حُبِ ایشاں دلیلِ صدق و وفاق
بُغضِ ایشاں نشانِ کفر و نفاق
زین‌عباد باقر و جعفر عالمانِ علومِ پیغمبر
خسروانِ ولایتِ حیدر وارثانِ شہادتِ اکبر
قربِ شاں پایۂ علو و جلال
بُعدِ شاں مایۂ فلود و ضلال
موسیِ کاظم امام رضا مہر و ماہ سپہر مجد و علا
شہِ دنیا و دیں نقی کہ ہوا مستفید اُس سے نامِ جود و سخا
بر نکو سیر تاں و بد کاراں
دستِ او ابرِ موہبت باراں
ذاتِ پاکِ نقی ہے فخرِ زمن متصف عسکری بہ خُلقِ حسن
سایۂ لطفِ ایزدِ ذوالمن مہدیِ دیں محمد ابن حسن
ہست ازاں معتبر بلند آئیں
کہ گذشتند ز اوجِ علیین
نائبِ دینِ احمدِ مختار ہیں یہ جملہ ائمۂ اطہار
کچھ کہے کوئی اسمیں ہوں ناچار اعتقاد اپنا ہے یہ ہی بیدار
دوستدارِ رسول و آلِ ویم
دشمنِ خصمِ بد سگالِ ویم
اہلِ تحقیق جامیِ مقبول کہہ گیا ہے یہ نکتۂ معقول
گر بود رفض حبِ آلِ رسول با تولا بخاندانِ بتول
کیش من رفض و دینِ من رفض است
رفع من رفض و ما بقی خفض است

دیگر

امیر عرب شاہ یثرب مقام امام رسل صدر بیت الحرام
معزز مشرف باوصاف تام علیہ الصلوٰۃ ——— علیہ السلام
شفیع مطاع نبی و کریم
قسیم جسیم نسیم و سیم

ملائک سپہ شاہ گردوں سریر پناہ خلائق بلاریب سریر
باسرار مکتوم روشن ضمیر بشمشیر اسلام آفاق گیر
کریم السجایا جمیل الشیم
نبی الورایا شفیع الامم

اگرچہ مقرب رسل ہیں سبھی پہ تجھ کو تقرب ہے کچھ اور ہی
تو پہونچا جہاں واں نہ پہونچا کوئی تری ذات عالی ہے وہ یا نبی
خدایت ثنا گفت و تبجیل کرد
زمیں بوس قدر تو جبریل کرد

پیمبر کے مانند وہ پاک ذات مقدس مطہر معلی صفات
اگر چاہے مردہ کو بخشے حیات کرے دم میں وا عقدۂ مشکلات
علی ولی شیر پروردگار
سپہ دار دیں شاہ دلدل سوار

گنہ میرے گو ہیں عقوبت قریں سزاوار رحمت ہوں پر مجرمیں
کہیں ہیں تجھے اکرم الاکرمیں ترے لطف سے کچھ تعجب نہیں
خدایا بحق نبی فاطمہ
کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ

حسن سرور لشکر اولیا حسین ابن حیدر شہ اتقیا
غلام اُن کا ہوں میں برا یا بھلا وسیلہ ہے میرا یہی اے خدا
اگر دعوتم رد کنی در قبول
من و دست و دامان آل رسول

عمل نامہ میرا ہے گرچہ سیاہ ولے کیا ہے بیدار خوف گناہ
محمد سا ہے شافع دیں پناہ حبیب خدا مغفرت دستگاہ
نماند بعصیان کسے در گرو
کہ دارد چنیں سید پیشرو

مخمس

فقط ہے جا کے نہ سر راہ کوہ سے مارا
کہ پھرتے دشت میں گذرا ہے روز بھی سارا
اگر تجھے ہے کچھ اس تک رسائی و یارا
صبا بلطف بگو آن غزال رعنا را
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

کرم سے سرو نے قمری ہی کو نہ بر میں لیا
چمن میں گل نے بھی بلبل کو ملکے شاد کیا
یہی ہے مجھ کو تاسف کوئی تو پوچھو جا
شکر فروش کہ عمرش دراز باد چرا
تفقدے نکند طوطی شکر خارا

کیا ہے حق نے تجھے اہلِ جاہ و صاحبِ بخت
نہ چاہئے تجھے طبعِ درشت و وضعِ کرخت
شفیق و لطف نما ہو نہ کر تو دل کو سخت
بشکر صحبتِ احباب و آشنائیِ بخت
بیاد آر غریبان دشت پیمارا

قفس میں غم کے ہے بلبل کو تیری یاد اے گل
خزانِ ہجر تو حد سے ہوی زیاد اے گل
بہارِ وصل سے اب تک کیا نہ شاد اے گل
غرورِ حسن اجازت مگر نداد اے گل
کہ پرسشے بہ کنی عندلیب شیدارا

دکھائے لاکھ بلا کر تو زلف و خال اگر
شکار وہ تو نہ ہو مثل ابلہاں آکر
نہیں ہے اس کے سوا اور کوئی طرح مگر
بحسنِ خلق تواں کرد صید اہلِ نظر
بدام دانہ بگیرند مرغِ دانا را

اگر زمانے کی تجھ سے موافقت آئی
تری مراد پہ گرداں ہے چرخ مینائی

کہیں نشاط و شبِ عیش و مجلس آرائی
چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی
بیاد آر حریفانِ بادہ پیمارا

تو وہ ہے تازہ گلِ روضۂ شہادتِ غیب
کہ جسکو دیکھ چمن میں گلوں نے پھاڑے جیب
ہے واقعی نہیں کچھ اس میں خارِ شبہ و ریب
جز این قدر نہ تواں گفت در جمالِ تو عیب
کہ خالِ مہرو وفا نیست روئے زیبارا

حصولِ عشقِ بتاں جز غمِ جدائی نیست
اُمیدِ مہر و وفا غیرِ بے وفائی نیست
جزا ز اہلِ محبت سرِ صفائی نیست
ندانم ازچہ سبب رنگ آشنائی نیست
سہی قدان و سیہ چشم ماہ سیمارا

زمینِ فکر ہے بیدار رُفتۂ حافظ
گراں بہا ہے دُرِ شعرِ سُفتۂ حافظ
غزل سرا ہو جو طبعِ شگفتۂ حافظ
بر آسماں چہ عجب گر ز گفتۂ حافظ
سماع زہرہ برقص آورد مسیحارا

مخمس

نہ پوچھ مجھ سے کچھ ایدل تو ماجرائے فراق
کہ ہے برا ہی مرض دردِ بےدوائے فراق
خدا نخواستہ ہو کوئی آشنائے فراق
کسے مباد چو من خستہ مبتلائے فراق
کہ عمرِ من ہمہ بگذشت در بلائے فراق

ہمارے نام کو کیا پوچھتے ہو اے یاراں
خراب حال و پریشان و بیکس و حیراں

اسیر خستہ و دیوانہ بندۂ جاناں
غریب عاشق بیدل فقیر سر گردان
کشیدہ محنت ایام و داغہائے فراق

نہ جانتا تھا تجھے میں دل اس قدر نامرد
کہ اس کے ہجر میں کھینچے گا ایسی آہیں سرد
ہوا ہے مجھ کو نہ تنہا نصیب ہجر کا درد
کدام سینہ کہ دروے فراق رخنہ نہ کرد
کدام دل کہ شد ایمن ز داغہائے فراق

تمام عیش کا اسباب ہوگیا برہم
کہاں ہے یار جو اس کو سناؤں اپنا غم
نہیں ہے غم کے سوا کوئی مونس و ہمدم
کجا روم چہ کنم حال دل کرا گویم
کہ داد من بستاند دہد سزائے فراق

ترے فراق کے اے شوخ بے وفا ہر دم
میں لاعلاجی سے سہتا ہوں اتنے جور و ستم
جو دسترس ہو مری ترے خاک‌پا کی قسم
فراق را بفراق تو مبتلا سازم
چنانکہ کہ خون بچکانم ز دیدہائے فراق

مرے ستانے سے اے عشق آ تو ہاتھ اُٹھا
وصال اگر نہیں ممکن تو ہجر بھی نہ دکھا
بھلا تو آپ ہی انصاف کر ز بہر خدا
من از کجا و فراق از کجا و غم ز کجا
مگر بزاد مرا مادر از برائے فراق

گیا ہے جب سے تو اے رشک نو بہار ارم
چمن میں دل کے ہے تاراجی خزان الم
ترے فراق سے کھینچے ہے بس کہ جور و ستم
اگر بدست من افتد فراق را بہ کشم
بہ آب دیدہ دہم باز خونبہائے فراق

نہ میں ہی ہجر میں روتا ہوں دوستاں شب و روز
رہے ہے دیدۂ بیدار خوں فشاں شب و روز
جرس کی طرح جو کرتا ہے دل فغاں شب و روز
ازیں سبب من و حافظ چو بیدلاں شب و روز
چو بلبل سحری می زنم نوائے فراق

مخمس

جو باتیں اوروں سے وہ ہم سے گفتگو معلوم
جو عزت اُس کی ہے سو ہم کو آبرو معلوم
کہاں وہ دن کہ وہ اخلاص پھر کے ہو معلوم
اب اس طرف تری دل گرمی شعلہ رو معلوم
تپاک غیر سے جو ہوں گے ہم سے وو معلوم

کہاں ہے تجھ کو سر دوستی رکھے ہے بیر
وگرنہ کاہے کو کرتا رقیب ساتھ تو سیر
ہزار گر تو قسم کھاوے میں نہ مانوں بخیر
بھری ہے دل میں ترے اس قدر محبت غیر
کہ جا نہیں مرے کینے کو مہر تو معلوم

مرض شناسی کا دعویٰ نہ کر تو چپکا رہ
نہیں ہے سننے کی طاقت بس اب زیادہ نہ کہہ
تری دوا سے نجاوے گا درد عشق ہے یہ
طبیب اُٹھ مری بالیں سے دے اجل کو جگہ
دوا مری وہ لب شربتی ہے سو معلوم

گدا سے شاہ تلک ہیں مطیع اور منقاد
قبول کرتے ہیں سو جیسے سب ترے ارشاد
جو کچھ کئے ہیں ستم تونے او جفا ایجاد
سنے ہے کون کروں کس کے آگے جا فریاد
جو روتجھے ہے حوالہ میں سو مجھ کو رو معلوم

سحر کو کھولے جو شانہ سے موئے عنبر بار
جدھر کو گذرے شمیم اس کی لے نسیم بہار
اودھر ہو مرہم راحت برائے ہر افگار
غلط ہے زلف کو تیری کہوں جو مشک تتار
سیاہ فام تو وہ ہے پر ایسی بو معلوم

غبار ہوکے صبا ساتھ میں پھرا ہر سو
ہزار باغ میں گذرا کہ پاؤں تیری بو
فرضکہ تجھ تلک پہونچا نہ میں تو آہ کبھو
عبث ہے مہر کی نت اوٹھ تلاش ذرے کو
ہے وصل دور ترا میری جستجو معلوم

اگرچہ ہے وہ جفا پیشہ و ستم ایجاد
ہزار جور کئے اس نے میں نہ کی فریاد
پر اس کے اتنی ہی لطف و کرم سے ہوں میں شاد
گلہ میں غیر کے میری وفا کر و تو یاد
سو غائبا نہ کبھو اوس کے رو برو معلوم

نہیں ہے زور مخمس کا یا نہیں کہتے
اگر کہیں بھی تو بیدار سا نہیں کہتے
قصیدہ و غزل و قطعہ کیا نہیں کہتے
سخن تو یار بھی سودا برا نہیں کہتے
ولے جو چاہیں یہ انداز گفتگو معلوم

مخمس

کدھر تو خدا جانے اے ماہ رو ہے
ترے دیکھنے کی مجھے آرزو ہے
نہ کچھ یہ تلاش آج ہی کوبکو ہے
مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے
زباں جب تلک ہے یہ ہی گفتگو ہے

نہ دنیا کا طالب نہ مشتاق عقبا
دل اپنے کو میں سب طرف سے اٹھایا

نہیں اس سوا اور مقصود اپنا
تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تیری آرزو ہے اگر آرزو ہے

یہ وہ بزم ہے جس میں درویش و سلطاں
ہوئے ہیں ہزاروں ہی با خاک یکساں
بس اے یار رہ کوئی دم اور بھی یاں
غنیمت ہے یہ دید وا دید یاراں
جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہے نہ تو ہے

جو یکدم نہیں وہ مرے پاس آتا
قیامت مرے جی پہ ہوتی ہے برپا
اگر عشق ایسا ہی اس سے رہے گا
خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تندخو ہے

کوئی والی ملک و دولت ہے جگ میں
کوئی طالب دین و ملت ہے جگ میں
کوئی اہل علم و فضیلت ہے جگ میں
کسو کو کسی طرح عزت ہے جگ میں
مجھے اپنے رونے ہی سے آبرو ہے

نہ ہرجیو تو اے دل خریدار دنیا
کہ ناکام ہی ہے طلب گار دنیا
غرض لالہ و گل سے تا خار دنیا
کیا سیر سب ہم نے گلزار دنیا
گل دوستی میں عجب رنگ و بو ہے

کیا سیر عالم کا میں نے سراسر
رخ روشن اس کے سے دیکھا منور
ہوا مثل بیدار میں محو دلبر
نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہے وہی رو برو ہے

مخمس

سامنے وہ مہ لقا جب آ گیا
جلوۂ حیرت فزا دکھلا گیا
پھر نہ آیا اس طرف ایسا گیا
سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

بر نہ آئی تجھ سے عاشق کی مراد
تونے اے ظالم کسی کی دی نہ داد
کیا ستم اس سے کوئی ہوگا زیاد
پی گئی کتنوں کے لوہو تیری یاد
غم ترا کتنے کلیجے کھا گیا

ماہ روئی دلبر کم التفات
آ گئی حیرت مجھے دیکھ اس کو رات
میرے اوپر واں جو گذری واردات
میں تو کچھ ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

خوب رو رکھتے ہیں سب ناز و ادا
دل کو لے جاتے ہیں عاشق کو لبھا
توہی بتلا اب ہمیں اے بیوفا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا
پر وہ کیا کچھ تھا کہ جی کو بھا گیا

مہر خوباں کب کی تھی جی سے بھری
جاں نہ تھی بیدار ساں غم میں گھری
برق عشق آ پھر مرے دل پر گری
کھل نہیں سکتی ہیں درد آنکھیں مری
جی میں یہ کسکا تصور آ گیا

مخمس

میخانۂ عشق میں گزر کر
پی بادۂ شوق جام بھر کر
کہتا نہ یہی ہوں چشم تر کر
بے شغل نہ زندگی بسر کر
گر اشک نہیں تو آہ سر کر

یاں چھوڑ کے شاہی و وزیری
کرتے ہیں جو مرد ہیں فقیری
رکھتا ہے تو خواہش امیری
دے طول امل نہ وقت پیری
شب تھوڑی ہے قصہ مختصر کر

آئے تھے سمجھ کے باغ اس جا
آتشکدہ تھا پہ یہ نہ جانا
چشم عبرت سے اب جو دیکھا
یہ دہر ہے کار گاہ مینا
جو پاؤں رکھے تو یاں سو ڈر کر

کہتے ہیں یہ عارفان کامل
دنیا ہے کشت گاہ ایدل
کرنا ہے جو کچھ سو کرلے حاصل
فرصت ہے غنیمت آج غافل
جو ہوسکے نفع یا ضرر کر

ناکام گئے ہزاروں عابد
ہرچند کہ تھے حرم میں ساجد
اس رہ میں اگر تو ہے مجاہد
کعبے کا نہ ذکر تو ہے یہ زاہد
بن جائے تو آپ سے سفر کر

صہبائے فنا جنھوں نے پی تھی
تحقیق یہ بات ان سے کی تھی

آخر دیکھی جو کچھ سلی تھی
کچھ طرفہ مرض ہی زندگی تھی
اس سے جو کوئی جیا تو مر کر

سینہ سے نکل کے ہر سحر گاہ
پہنچی ماہی سے تا سر ماہ

حالت سے مری نہیں تو آگاہ
توڑا تو مرا جگر پر اے آہ
کچھ اُس کے بھی دل میں تو اثر کر

غافل ہے تو حال سے ہمارے
لوگ آئیں ہیں دیکھنے کو سارے

آرائش حسن رکھ کنارے
کیا دیکھے ہے آئینہ کو پیارے
ایدھر بھی تنک ایکدم نظر کر

اٹلے کئے چھوڑ کر نہ اے دل
کام آئے یہ بام و در نہ اے دل

بیدار کی ریس کر نہ اے دل
تعمیر پہ گھر کی مر نہ اے دل
قائم کی طرح دلوں میں گھر کر

مخمس

خجالت اوسکو عزیزو نہ دو ہوا سو ہوا
وہ سر گذشت بیاں مت کرو ہوا سو ہوا
خدا کے واسطے اب چپ رہو ہوا سو ہوا
جو گذری مجھ پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا
بلاکشاں محبت پہ جو ہوا سو ہوا

کیا ہے میرے تئیں قتل تونے بے تقصیر
کر اب میاں میں جلدی سے خونچکاں شمشیر

نہیں ہے خوب جو اسطرح تو کھڑا ہے دلبر
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

رہو گی اشک فشاں یونہیں تم گر اے آنکھو
تو باؤ گی مہری بینائی یکسر اے آنکھو
نگاہ رحم سے دیکھو تو جھک کر اے آنکھو
یہ کون حال ہے احوال دل پر اے آنکھو
نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ہوا سو ہوا

چھپا نہ ملنہ کو تو اے مہ شب سیہ سے مری
قسم ہے مہر کی تجکو نہ جا جگہہ سے مری
ہوا جو اسقدر آزردہ یک نگہ سے مری
خدا کے واسطے آ در گذر گلہ سے مری
نہ دوگا پھر کبھو اے تندخو ہوا سو ہوا

نپوچھ عشق میں بیدار پر جو کچھ گذرا
ہر ایک کوچہ و بازار میں ہوا سو ہوا
نہ صبر تاب نہ طاقت نہ عقل ہوش رہا
دیا اسے دل و دیں اب یہ جان ہے سودا
پھر آگے دیکھئے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا

اے مرے دل کے خریدار خدا کو سونپا
لشکر حسن کے سردار خدا کو سونپا
پھر شتاب آئیو دلدار خدا کو سونپا
دلبر شوخ ستمگار خدا کو سونپا
اپنتو جانا ہے تو اے یار خدا کو سونپا

آئی پرواز کناں گل کی ہوس میں بلبل
دیکھنے پائی نہ پھر ایکی برس میں بلبل
آہ جب آ گئی صیاد کے بس میں بلبل
کہنچی گلشن سے گئی روتی قفس میں بلبل
اے بہار گل گلزار خدا کو سونپا

جب ہوئی گوش زد خلق حکایت میری
چشم پر آب ہوا سنکے حقیقت میری
ایک دن اُسنے ہی کی آ کے عیادت میری
وقت رخصت کے کہا دیکھ کے حالت میری
اے مری چشم کے بیمار خدا کو سونپا

ہر طرف کھینچکے شمشیر تو چمکاتا ہے
بانکپن کوچہ و بازار میں دکھلاتا ہے
پاس میرے جو بلاتا ہوں نہیں آتا ہے
نشۂ حسن میں سرشار چلا جاتا ہے
تجھکو اے دلبر خونخوار خدا کو سونپا

مہ تاباں نے مرے خواب سے اُوٹھ وقت سحر
کرکے تزئین جمال آئینہ رکھ پیش نظر
عزم جانے کا کیا گھر سے مرے اپنے گھر
پھر کے جاتے ہوئے میری ہی زبانی سُن کر
کہہ گیا ہم سے بھی بیدار خدا کو سونپا

دل دادہ و جان باختہ عشاق و شیدا یکطرف
آشفتہ و حیرت زدہ ہر گبرو ترسا یکطرف
خیل پری رخسار کان محو تماشا یکطرف
دی مست می رفتی بناں رو کردہ ازما یکطرف
افگندہ کاکل یکطرف زلف چلیپا یکطرف

تیری سواری کی خبر سنتے ہی اے آرام جاں
دوڑے ہیں پائے شوقسے گھر سے نکل اہل جہاں
کیاطفل کیاپیر وجواں کہتے ہیں یہ دیکھو میاں
سلطان خوباں می رود ہر سو ہجوم عاشقان
چابک سواراں یکطرف مسکین گداہا یکطرف

کر چاک دست عشق سے اپنا گریباں سر بسر
قشقہ کشیدہ بر جبیں زنار افگندہ بہ بر

بھٹکا ہے تیری راہ میں دنیا و دین سے بیخبر
تا بر رخ زیبائے تو افتادہ زاہد را نظر
تسبیح زہدش یکطرف مالدہ مصلا یکطرف

تو قتل کر ٹکڑے مرے چاہے کہ پھینکے جا بجا
راضی ہوں میں بھی دل سے اب گر اسمیں ہے تیری رضا
لیکن ترے کوچہ سے میں ہرگز نہیں ہوں گا جدا
در چار حد کوئے خود افتادہ بینی بندہ را
تن یکطرف جان یکطرف سر یکطرف پا یکطرف

ہے آج تو دربار میں کچھ اور اس کو بندوبست
نکلا ہے تخت ناز پر لے شیشہ و ساغر بدست
بیدار تونے بھی سنا کہتے ہیں وہ سلطان مست
بیچارہ خسرو خستہ را خون ریختن فرمودہ است
خلقے بمنت یک طرف آن شوخ تنہا یکطرف

مخمس

پوچھے ہے تو کیا مجھ سے حال دل شیدائی
تجھ گیسوئے مشکیں کا مدت سے ہے سودائی
نے طاقت دوری ہے نے صبر و شکیبائی
اے بادشہِ خوباں داد از غم تنہائی
دل بے تو بجاں آمد و وقت است کہ باز آئی

ہوں تیرے غلاموں میں جانے ہے مجھے عالم
جز مدح مری لب سے نکلے نہیں حرف ذم
خدمت میں ترے حاضر رہتا ہوں میں جو ہر دم
در دائرۂ فرماں ما نقطۂ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی

ہے ختم تیرے رو پر گلشن میں گل اندامی
جن روزوں کہ تو یاں تھا تھی روز خوش ایامی

تجھ عشق میں ہے مجھ کو ہر طرح دل آرامی
اے درد تو ام درماں بر بستر ناکامی
وے یاد تو ام مونس در گوشۂ تنہائی

اے مایۂ صد راحت تجھ بن ہے نہایت درد
ہر دم تپ دوری سے کھینچوں ہوں میں آہ سرد
اُٹھتا ہوں تو گرتا ہوں اب ضعف سے مثل گرد
مشتاقی و مہجوری دور از تو چنانم کرد
گر دست نخواهد شد دامان شکیبائی

بیدار نمط دائم کھینچے تھا الم بے حد
مدت میں یہ روز وصل آیا ہے بجد و کد
وہ دیکھ کہ آتا ہے گل روے صنوبر قد
حافظ شب ہجراں شد بوئی خوش باز آمد
شادیت مبارکباد اے عاشق شیدائی

مخمس

ز پائی تا بسر اے مہ تو مایۂ نوری
رسد چگونہ بساق تو شمع کافوری
تو ہمچو شمس بحسن و جمال مشہوری
بدیں صفت کہ توئی در زمانہ معذوری
اگر بصورت زیبائی خویش مغروری

چہ خانقاہ چہ مسجد چہ میکدہ چہ حرم
وہ کون جا ہے کہ جسمیں رکھا نہ میں نے قدم
پھرا چہار طرف تیری جستجو میں صنم
دلم چو آئینہ صورت پرست شد چہ کنم
بہر طرف کہ نظر میکنم تو منظوری

زباں صدق سے کہتا ہوں جان تیری قسم
ترے خیال سے فارغ نہیں ہوں میں یکدم

میں کی ہے شکل تری لوح دل پہ اپنی رقم
من ارچہ دورم و پیوستہ در حضور توام
تو در حضوری و فرسنگہا ز من دوری
ترے جو عشق میں بیدار کا نہ تھا ثانی
جب اُسکے مرنے سے آئی نہ چین بہ پیشانی
پھر اتنا سوز کہوں کیا میں تجھ سے اے جانی
ترا کہ شوق عزیزاں نسوخت چوں دانی
کہ چیست بر دل خسرو ز داغ مہجوری

رباعی

خورشید سپہر دیں رسول الثقلین
ہیں اُن کے علی و فاطمہ نور دو عین
فانوس نبوت و ولایت کے بیچ
مانند دو شمع جلوہ گر ہیں حسنین

رباعی

کیا شرح کروں میں اُن کا وصف بیحد
مداح جنھوں کا ہو خدا و احمد
ہے کس کی زبان ناطق ایسی جو کہے
تعریف دوازدہ امام امجد

رباعی

بیدار میں ہر چند کہ رکھتا ہوں گناہ
لیکن ہے اُمید کرم حضرت شاہ
روز محشر کو مجھ سے عاصی لاکھوں
کھلے سے اُنھوں کے بخش دے گا اللہ

رباعی

سلطان کریماں ہے علی اکرم
سائل کو نماز بیچ بخشی خاتم
مولائے کریم جس کا ہوئے ایسا
کب اس کو ہو احتیاج دینار و درم

رباعی

بیدار جہاں میں ہے جو مرد دنیا
کھینچے ہے ہمیشہ رنج و درد دنیا
چاہے کہ قدم رکھے تو راہ حق میں
دامن کو نہ لگنے دیجو گرد دنیا

رباعی

نہ خوب نہ زشت کا بریکھا [ا] کیجے
اپنے ہی شب و روز کا لیکھا کیجے
مثل آئینہ چشم وحدت سے یہاں
جو سامنے آوے اس کو دیکھا کیجے

رباعی

ہے دھوم کہ خوش چھبوں میں جسکے چھب کی
دیکھی آتش مشق اسکو دامیں بھپ کی
بیدار اُسی دن سے چشم تصویر صفت
سونا تو کیسا نہیں پلک بھی جھپ کی

رباعی

رہتا ہوں برنگ ابر اکثر روتا
اور عمر کو اپنی درد و غم میں کھوتا
ہے تلخ نہت بھی زندگانی تجھ بن
اے کاشکے تجکو میں نہ دیکھا ہوتا

[ا]—شکوہ شکایت ، رونا دھونا ۔

رباعی

گذری یک عمر مجھ کو روتے روتے
اور اشک سے داغ غم کو دھوتے دھوتے
بیدار شب فراق ہے بسکہ دراز
مدت ہوئی ہے سحر کو ہوتے ہوتے

رباعی

دیکھی ہیں تری جفائیں یانتک اے یار
یک شمہ کروں اگر میں اس کا اظہار
اغلب ہے کہ سنتے ہی زباں سے میری
ہوگا تو اپنی خو سے آپی بیزار

رباعی

شب سے تا روز بیقراری گذری
اور روز سے تا شب آہ و زاری گذری
اس لیل و نہار ہجر میں تجھ بن آہ
مت پوچھ جو کچھ کہ مجھ پہ خواری گذری

رباعی

نے درد کی میری کچھ خبر ہے تجھکو
نے آہ سے میری کچھ حذر ہے تجھکو
ہے محو تو اے آئینہ رو اپنا ہی
بیخود شدگی پہ کب نظر ہے تجھکو

رباعی

دیکھا ہے میں جب سے روئے تاباں تیرا
آئینہ نمط ہوا ہوں حیراں تیرا
جاتی ہی نہیں شکل میری پہچانی
کھینچا ہے زبس کہ درد ہجراں تیرا

رباعی

بیدار مقیم کوئے جاناں ہوں میں
دیوانۂ گفتگوئے جاناں ہوں میں

ہوں چشم مثال آئینہ سر تاپا
حیران رخ نکوے جاناں ہوں میں

رباعی

بیدار رواں ہے اشک دریا دریا
بتلا کہ تری ہے چشم تر یا دریا

رونے سے ترے تمام خانہ ہے خراب
حیراں ہوں میں اسمیں ہے یہ گھر یا دریا